

فہم وقت: مغربی تصورات

ڈاکٹر حسن صہبیب مراد

وقت کیا ہے؟

یہ انسانی زندگی کا وہ سوال ہے جو سب سے زیادہ بار بار پوچھا گیا لیکن اُتنا ہی کم سمجھا گیا۔ اس سادے سوال کا سادہ جواب کلائی پر گلی گھٹری کی دوسوئیوں کی حرکت یا آسمان میں سورج کی سمت کو دیکھ کر دیا جاسکتا ہے۔ کیا وقت کے معنی بس بیہیں تک محدود ہیں؟ آج ایسی کتابوں کا انبار لگا ہو ہے جو وقت کے گزرنے کے ساتھ کاموں کو گرفت میں لانے اور نظامِ زندگی کو استوار کرنے کے لیے رہنمائی فراہم کرتی ہیں۔ تعلیمی و تربیتی ادارے جاہجا ایسے کورس لاتے ہیں کہ جو وقت بچانے، پیداوار بڑھانے، وقت تقسیم کرنے اور منصوبہ بنانے کے سلسلے میں الیت پیدا کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ اسی طرح گھٹری ساز، کلینڈر اور ڈائری کے شائع کرنے والے وقت کے لحاظ سے ماضی کو ریکارڈ کرنے اور مستقل میں جھانکنے کے لیے نئے الیکٹرانک طریقے اختیار کر رہے ہیں۔ وقت دیکھنا ایک ایسا شعار بن چکا ہے کہ گوہزاروں اور لاکھوں روپے کی گھٹری زیب تن ہوتی ہے۔۔۔ لیکن وقت کی سمجھ بوجھ، اس کی نزاکت کا احساس، اس کے تقاضوں کا شعور ناپید ہے۔ وقت کو گھٹری کی دوسوئیوں کی گرفت میں لا کر اور سینکڑوں لاکھوں حصوں میں تقسیم کرنے کی صلاحیت پیدا کر کے سائنس دان اس وہم میں گرفتار ہو جاتے ہیں کہ انہوں نے وقت کو فتح کر لیا۔

وقت کے اصول و مبادی اس سطحی سے مشاہدے، تجربے اور تعلق کی زد میں نہیں آسکتے ہیں جو عمومی طور پر انسان کی لیل و نہار کی گردش سے ہوتا ہے۔ فہم وقت کا سائنسی، مذہبی،

سیاسی، معاشرتی، تعلیمی اور معاشی پہلوؤں سے انفرادی و اجتماعی زندگی سے متعلق فکر اور عمل دونوں پر گہرا اثر ہوتا ہے۔ نظریات کی کش مکش وقت کے متعلق رویوں کو جنم دیتی ہے کیونکہ زندگی کی قوت اور قدر وقت سے وابستہ ہے۔ چھٹی اتوار کی ہو یا جمعہ یا ہفتہ کی۔۔۔ حال ہی میں اٹھنے والی اس بحث میں مختلف رویوں کی جھلک نظر آئی۔ نئی صدی اور نئی ہزاروی کے آغاز کے موقع پر، عیسوی و ہجری کیلئے رکے اختیار کرنے پر یہ بحث ہوتی ہے۔ دفتری اوقات کے تعین اور کاموں کے آغاز و اختتام کو طے کرتے ہوئے بھی نظریاتی عوامل کا فرما ہوتے ہیں۔ وقت مخصوص ایک گھڑی میں نظر آنے والا وقت نہیں ہے بلکہ عقائد کے مجموعے کا نام ہے۔ اس کے ساتھ مختلف اقوام اور علاقوں کے افراد کے ماضی، حال اور مستقبل کے بارے میں نظریات، ثبات و تغیر کے بارے میں آراء، پیدائش اور موت کے بارے میں سوق، زندگی کے واقعات جو تجربے اور مشاہدے میں آتے ہیں، ان کے حوالے سے وقت کے بارے میں تاثرات شامل ہیں۔ اسی نقطہ نظر سے زیر نظر مضمون میں پہلے مروجہ فکر کا، جو مغربی تہذیب اور جدید سائنسی تحقیقات کی مربوں منت ہے، جائزہ لیا جائے گا اور اس کے بعد آیندہ اسلامی تصورات کو پیش کیا جائے گا۔ عالمیت (Globalization) کا ایک ہدف وقت کا محاذ بھی ہے۔ ایک وقت، ایک اندازِ وقت، ایک فکرِ وقت، ایک طریقہ وقت کے ذریعے اس عالمی تنوع کو سونا آسان تر ہو جاتا ہے جو مطلوب ہے۔

سائنسی نظریات

گزشتہ دو عشروں میں وقت، وقت کے سیاق و سبق، اس کی ابتداء اور انتہا، اس کا سکڑاؤ اور پھیلاؤ، اس کی مختلف حالتوں، اس کے مرکز اور اس کی سرحدیں، رفتار اور بلندی کے اس پر اثرات، مادہ اور روشنی کی لہروں کے ساتھ وقت کا ارتکاز، انسانی عقل اور شعور میں، اس کے جسم کے پورے نظام میں وقت کا نظام، معاشرے کی اٹھان اور اس لحاظ سے وقت کے بارے میں عقائد اور رویے، حاکیت، ثقافت، تاریخ، تعلیم ان تمام امور و معاملات میں وقت کی مداخلت، انسانی زندگی میں وقت کا جبرا، انسان کی وقت کو سمینے، پھیلانے، مختلف خطوں کے وقت میں ربط کو

بڑھانے کے سلسلے میں دل چسپی بڑھ گئی ہے۔

پتھر کے زمانے سے لے کر آج تک، جب کہ تہذیب و تمدن اطلاعاتی شکناوجی کے جس کا ایک اہم کام وقت کو گرفت میں لانا ہے، انسان کی فطری نوعیت کی بنیادی ضروریات میں کوئی فرق نہیں آیا ہے۔ لیکن وقت کے بارے میں اس کے شعور، تجربے، مشاہدے میں بہت بڑا فرق دیکھا گیا ہے۔ وقت کے بارے میں اس وقت سائنسی نظریات کا خلاصہ یہ ہے:

1۔ ہم کسی بھی صورت میں حال کے وقت کو نہیں پاسکتے۔ ہم وقت کو روشنی کی لہر کے ذریعے اور دماغ میں اعصاب کے عمل کے ذریعے پڑھتے ہیں۔ جو وقت ہم جانتے ہیں اور جو وقت عملًا ہوتا ہے اس میں فرق ہوتا ہے۔ جس کو ہم وقت کہتے ہیں وہ عملًا گزر گیا ہوتا ہے۔

2۔ حرکت اور بلندی کی صورت میں وقت ساکت اور سطحی حالت میں وقت سے مختلف ہوتا ہے۔ حرکت کی رفتار کو سست بنا دیتی ہے۔ بلندی وقت گزرنے کی رفتار کو تیز بنا دیتی ہے۔ وقت کی کیفیت ہر جگہ ایک نہیں ہے۔ مختلف دائروں میں وقت کی مختلف اہریں بیک وقت سرگرم عمل ہیں۔

3۔ وقت کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ یہ مر ہم ہے۔ زخم خواہ جسم پر لگیں یا جذبات پر، وقت کے ساتھ مندل ہو جاتے ہیں۔ لیکن یہ بھی حقیقت ہے کہ وقت ایک ضرب کاری ہے۔ یہ آبادی کو اٹ پلٹ کر دیتا ہے۔ انسان کو بوڑھا کر کے مار دیتا ہے۔ اس کے جر سے کسی کو قرار یا چاؤ نہیں۔ وقت کے اندر ملیا میٹ کرنے، اور نشوونما دینے، دونوں کی صلاحیت موجود ہے، یعنی اگر کوئی اور سبب نہ بھی ہو تو وہ تبدیلی کا بڑا سبب ہے۔ یہ خاموشی سے اپنا کام کرتا ہے اور ہر شے کو اس کی انتہا اور فنا کی جانب دھکیل دیتا ہے۔ اس سے یہ بات محسوس ہوتی ہے کہ وقت کا ایک مرکز ہے، اس کی مختلف سمیتیں ہیں، مختلف انداز اور طریقے ہیں۔

4۔ وقت کبھی کسی کو کافی نہیں ہوا ہے۔ گزرنا ہوا وقت ایک لمحے کے برابر بھی وقت نہیں رکھتا۔ آنے والا وقت تو ظاہر ہے کہ ابھی آیا ہی نہیں۔ یہ بھی کسی کا انتظار نہیں کرتا۔ ہاں، انسانی

شعور ڈرامائی لمحات میں کسی واقعے کو اچانک اور کسی توقع کے باوجود نہ ہونے والے واقعہ کو موت سے زیادہ تکلیف دہ انتظار کی صورت دے دیتا ہے۔ کسی کو نہیں معلوم کہ اس کے پاس کتنا وقت رہ گیا ہے۔ اکثر کوئی خبر نہیں ہوتی ہے کہ کہاں گیا ہے۔

5۔ وقت وہ کرنی ہے جس کو خرچ کر کے انسان کسی جانب توجہ دے سکتا ہے۔ یہ وہ شے ہے کہ جو انمول ہے، بلا قیمت ہے، فطری اور پیدائشی ہے۔ یکساں حالت سے گزرنے والے افراد کا بھی وقت یکساں نہیں ہوتا۔ اس لیے کہ توجہات، شعور کی حرکت، ذہن اور قلب کا عمل مختلف ہوتا ہے اور اس سے وقت کا تاثر بھی مختلف بتتا ہے۔ جس طرح اگر سب کے پاس 100 روپے ہوں تو اس کا یہ مطلب نہیں کہ سب برابر ہیں۔ کسی کے لیے 100 روپے زیادہ ہیں تو کسی کے لیے کم۔ اسی طرح وقت اگر شے ہے تو ضروری نہیں کہ ہر ایک کے پاس ایک معیار کی ہو۔ وقت کا معیار (quality) مختلف صورتوں میں اور مختلف انسانوں میں مختلف ہو سکتا ہے۔

6۔ یقین، حرکت اور حافظہ یہ تین صلاحیتیں وقت کے فانی اثرات کو کم کرنے اور ان کو مشبت رُخ میں ڈھالنے کے لیے انتہائی مؤثر کردار ادا کرتی ہیں۔ حرکت اور عمل پیہم کے ذریعے گزرنے والے وقت کو ضائع ہونے کے بجائے کار آمد بنایا جاسکتا ہے۔ طبیعتی نوعیت کی تحقیقات بھی یہ بتاتی ہیں کہ تیز رفتاری اور انتہائی تیز رفتاری کا اثر ہوتا ہے۔۔۔ اسی طرح حافظہ شعور کی دنیا میں ٹھہراوہ کا کام کرتا ہے۔ حافظہ مستقل شناخت اور پہچان قائم کرتا ہے۔ انسانی رویے اور سلوک مستقل یکساں انداز سے ڈھال کر وقت کی تبدیلی کے باوجود تبدیل ہونے نہیں دیتا۔ بعض جن چیزوں پر انسان قائل ہو کر یقین کر لیتا ہے وہ وقت کے دھارے میں بہہ نہیں جاتی بلکہ استقامت اور استقلال فراہم کرتی ہیں۔ وقت کا توڑ یقین اور ایمان، حرکت اور عمل، حافظہ اور شناخت کے اندر پوشیدہ ہے۔

7۔ انسان مٹی سے بناتے لیکن وقت میں رہتا ہے۔ مٹی اور وقت ان دونوں کی خصوصیات میں کئی اقدار مشترک ہیں اور کئی مختلف بھی۔ مٹی کو ہاتھ میں پکڑا جاسکتا ہے لیکن وقت کو عمل

ہی سے گرفت میں لا یا جاسکتا ہے۔ مٹی میں بیج بویا جاتا ہے تو وہ زندگی کو جنم دیتی ہے اور پھر مردہ ہو جاتی ہے نئی زندگی پانے کے لیے۔ وقت میں بھی بیج بویا جاسکتا ہے اور نئی صبح اور نئی شام آتی ہے۔ مٹی ہی انسان کو وہ کچھ دیتی ہے کہ جو اس کی بقا اور ارتقا کے لیے ضروری ہے۔ وقت ہی کے ذریعے بقا اور ارتقا کو تینی بنایا جاسکتا ہے۔ انسان مٹی میں دفن ہو جاتا ہے۔ اسی طرح وقت انسان کو تمام تر موقع و امکانات دے کر بالآخر اپنا رشتہ کاٹ لیتا ہے۔ گزر اوقت کبھی واپس نہیں آتا۔

8۔ وقت ایک ایسا وسیلہ ہے جو واقعے کو ماضی سے مستقبل کی جانب منتقل کرتا ہے۔ ماضی کہ جو جلد غائب ہوا چاہتا ہے اور مستقبل کہ جو جلد ماضی بن جاتا ہے۔ یہ ایک عجیب بہاؤ ہے کہ جو ماضی بعید کو ماضی قریب میں، یعنی حال سے بالکل متصل منتقل کرتا ہے۔ جو کچھ چیजے ہوا اور جو کچھ آگے آنے والا ہے اس میں رابطہ قائم کرتا ہے۔

9۔ فاصلے کی وقت پر برتری ختم ہو چکی ہے۔ پہلے فاصلے سے وقت ناپا جاتا تھا، اب وقت سے فاصلہ ناپا جاتا ہے۔ فاصلے کو کم سے کم تر وقت میں عبور کرنا یا خاص حد تک غیر موثر، غیر اہم، یا غیر متعلق بنانا ممکن ہو گیا ہے۔ فاصلے وقت میں گم ہو کر رہ گئے ہیں۔ وقت کے فرق کی وجہ سے کام میں جو فرق آتا تھا وہ بھی کم سے کم ہوتا چلا جا رہا ہے۔ بڑے فاصلے کے ہوتے ہوئے قریب ہو کر، مل کر کام کرنا، وقت کے گزر نے کے ساتھ ممکن ہے۔ اٹھرنیٹ اور سینٹلائٹ نے یہ سہولت پیدا کر دی ہے۔

10۔ وقت کی اقسام، اس کی سرحدیں اور اس کے بہاؤ کی مختلف صورتوں کا اندازہ اس بات سے لگایا جاسکتا ہے کہ وقت کی سب سے کم پیمائش ایک سینٹنڈ کے دسویں حصہ کا مزید 43 گناہم حصہ ہے۔ ایک سینٹنڈ کے ایک ارب حصے میں سے ایک حصے کا بھی ایک ارب حصہ اس وقت پیمائش کی صلاحیت کے اندر ہے۔ ایک ایٹھی ذرہ اپنے مالکیوں (molecule) میں ایک سینٹنڈ کے ایک ارب حصے کے اندر دھڑکتا ہے۔ ایک کیمرہ عموماً ایک سینٹنڈ کے ہزارویں حصے میں تصویر کا مکمل نقش بنایتا ہے۔

ایک سینڈ میں زمین اپنے پورے جنم کے ساتھ گیند کی طرح سورج کے گرد 30 کلومیٹر کا فاصلہ طے کر لیتی ہے، جب کہ سورج اپنے نظامِ شمشی (galaxy) میں ایک سینڈ کے اندر 274 کلومیٹر کا فاصلہ طے کر لیتا ہے۔ آکھ جھکنے میں ایک سینڈ کا دسوال حصہ لیتی ہے۔ انسانی کان بھی اتنے ہی عرصے میں آواز اور اس کی بازگشت کے درمیان فرق کر لیتا ہے۔

ایک سینڈ کا عرصہ کارخانہ تدریت میں ایک خاصاً طویل عرصہ ہے۔ انسان کا دل ایک بار دھڑکنے کے لیے اتنا وقت لیتا ہے۔ چاند کی روشنی 1.3 سینڈ میں زمین تک پہنچتی ہے۔ زمین ایک دن میں مکمل گھوم جاتی ہے اور ایک سال میں سورج کے گرد پورا چکر لگاتی ہے۔ ایک سال میں سمندر کی اوسط سطح 2.5-1.5 میلی یارڈ بڑھ جاتی ہے۔ ایک سال میں امریکہ اور یورپ جن خطہ ارض پر مشتمل ہیں ان کا فاصلہ تین سینٹی میٹر بڑھ جاتا ہے۔

بہت کم انسان 100 سال یا اس سے زیادہ عرصہ زندہ رہتے ہیں لیکن ایک بڑا کچھوا تقریباً 177 سال زندہ رہتا ہے۔ سی ڈی کی جو compact disk اب ریکارڈ رکھنے کے کام آتی ہے تقریباً 200 سال تک ریکارڈ محفوظ رکھ سکتی ہے۔ اگر 10 لاکھ سال تک روشنی کی رفتار سے سفر کیا جائے تو بھی قریب ترین دوسری کہشاں تک نصف سفر بھی مکمل نہیں ہوگا۔

اس کائنات میں جو عمل برپا ہیں ان کی عمومی مدت کا اندازہ اس بات سے لگایا جاسکتا ہے کہ زمین کو بننے کے بعد ٹھنڈا ہونے میں صرف ایک ارب سال لگے تھے۔ اس عرصے میں سمندر وجود میں آئے، باتات کا آغاز ہوا، یعنی زمین میں بعض عمل ایسے ہیں کہ جن کے لیے ایک سینڈ بھی بہت طویل عرصہ ہے، جب کہ بعض اربوں سال پر پھیلے ہوئے ہیں۔

اس روادا کا مختصر حوالہ صرف اس لیے پیش کیا گیا ہے کہ یہ اندازہ ہو کہ وقت کے کتنے قسم کے دائرے بیک وقت گردش میں ہیں اور ایک سینڈ بھی بہت طویل عرصہ ہے، جب کہ بعض اربوں سال پر پھیلے ہوئے ہیں۔

اس روادا کا مختصر حوالہ صرف اس لیے پیش کیا گیا ہے کہ یہ اندازہ ہو کہ وقت کے کتنے قسم کے

دائرے بیک وقت گردوں میں ہیں اور ایک سینڈ کے اربوں حصے کا معاملہ ہو یا کھربوں سالوں کا، یہ ساری گھڑیاں باہم پیوست ہیں۔ اس کا احاطہ کرنا یقیناً آسان نہیں۔ انسان نے ابھی اس کا ابتدائی اندازہ لگایا ہے۔ اس کا مکمل حساب شاید اس کی حدود سے باہر ہے۔

11۔ جو اہم بات سامنے آتی ہے وہ یہ ہے کہ وقت تبدیل ہوتا ہے اور اس کے ساتھ اشیا کی ہیئت بھی متاثر ہوتی ہے۔ لیکن اس انداز سے کہ تبدیلی کے ساتھ ساتھ وقت کی تغیرے متعلق عمل میں حرمت انگیز باقاعدگی دیکھنے میں آتی ہے۔ زمین کی رفتار اور اس کا سورج کے گرد گھوننا۔۔۔ یہ بڑی بڑی اشیا کا معاملہ ہے۔ لیکن ان میں سال بہ سال بھی ایک سینڈ کے دسویں حصے کا فرق تک نہیں آتا ہے۔ انتہائی باریکی کے ساتھ یہ اور اس طرح کے، بہت سارے دوسرے عمل جاری ہیں اور ہزاروں لاکھوں سال سے اپنے طریق پر استوار ہیں۔

ایک جانب چھوٹے سے چھوٹے عمل سے لے کر بڑے سے بڑے عمل کے درمیان ربط اور تعلق نظر آتا ہے۔ دوسری جانب اس ربط کے معمولات میں، یعنی اجتماعی طور پر بھی انتہائی باقاعدگی پائی جاتی ہے جس کے برقرار رکھنے میں انسان کا عمل وارادہ شامل نہیں۔۔۔ اس نظام میں کوئی خلل یا فرق واقع نہیں ہو سکتا۔ یہ ایسا نظام ہے جس کے اسلوب میں کوئی کمی یا نقص بھی نظر نہیں آتا۔

12۔ یقیناً تمام باتیں اس بات کا پتادیتی ہیں کہ کوئی ہے جو وقت کا خالق ہے، اس کی تنظیم کر رہا ہے، اس کے اصول بناتا ہے، ان احکامات کو باریک سے باریک اور بڑے سے بڑے معاملے میں نافذ اعمال کرتا ہے۔

وقت نہ صرف خالق کائنات کے وجود کا بلکہ توحید کا شاید سب سے بڑا ثبوت ہے۔ رات اور دن کا آنا اور جانا آسان پرستاروں کی رونق اگر ان دونوں پر غور کیا جائے تو جو اسرار کھلتے ہیں وہ ایک ایسی ذات کے وجود پر دلالت کرتے ہیں کہ جو یکتا ہے اور حی و قیوم ہے، جو فانی وقت کا مرکز رجوع ہے اور جو وقت کا نظم و نقش اس کی تمام تر نزاکتوں اور پیچیدگیوں کے ساتھ سنبھالے ہوئے

ہے۔

مغربی نظریات

مضمون کے اس حصے میں مغربی تہذیب کے وقت اور اس کے شعور کے بارے میں کردار پر رoshni ڈالی جائے گی۔ تاریخی طور پر مغربی فکر کے وقت کے بارے میں نظریات کا جائزہ لینے سے معلوم ہو گا کہ مغرب نے وقت کے حقیقی تصور کو اپنے مہلک مفادات کے تابع بنادیا ہے۔ مغرب کا تصور وقت کے بارے میں مغرب کے زندگی کے بارے میں تصورات ہی کا شاخصہ ہے۔

مغرب نے انسانی زندگی کو خود ساختہ سیما بی کیفیت میں مبتلا کر دیا ہے۔ آج کا انسان اپنے آپ کو وقت کے شدید باوے میں محسوس کرتا ہے۔ سکون اور راحت کے حصول میں ساری زندگی گنوادیتا ہے اور پھر بھی اس سے محروم رہتا ہے۔ اس اضطراب اور بے چینی میں ساری دنیا اس لیے نقصان اٹھا رہی ہے کہ وقت کو وہی سمجھ لیا گیا ہے کہ جو گھڑی اور کینڈر بتاتا ہے، اور یہ سوچتے ہوئے کہ یہی زندگی بس اصل زندگی ہے۔

افراد اداروں، قوموں کی کوشش ہوتی ہے کہ زیادہ سے زیادہ کما لینے اور حاصل کرنے کے لیے وقف ہو جائیں۔ ایک وقت میں کئی کام کرنے کی صلاحیت ایک اچھی صلاحیت ہے جس کا بروے کار لایا جانا ضروری ہے۔ یہ صلاحیت باعثِ خیر بھی ہے۔ لیکن اس وقت کے استعمال کا مقصود صحیح نہ ہو، جو وقت کو اس کے اصل نقطہ نظر سے ہم آہنگ کرے تو نتیجہ وہی نکلا گا جو زندگی کے بے معنی ہو کر خلا سے پڑ ہو جانے کی صورت میں نکلا ہے۔ طبع اور لائق، حرص اور آمنل (خواہش) نے ایک ایسی بھاگ دوڑ میں گھما دیا ہے کہ جو وقت کی مہلت کے ساتھ ہی ختم ہوتی ہے۔

1۔ وقت کو حصول میں تقسیم کرنا اور مختلف اوقات کی مناسب کے لحاظ سے اجتماعی کاموں کو ترتیب دینا یقیناً ایک مفید کام ہے۔ بدلمی، غیر یقینی ابہام، من مانی اور شک کا خاتمه اور

اوقات پر اتفاق کرنے سے ہو سکتا ہے۔ مغرب میں St.Benedict نے تمام راہبوں کو پہلی مرتبہ عبادت، کام اور آرام کے لیے مخصوص اوقات کر کے ان کو سختی سے پابند کیا۔ اس طرح لوگ جو عموماً پہلے قدرتی اوقات جو سورج اور چاند کی حرکات سے وابستہ تھے، سے بے نیاز ہو گئے اور ایک انسان کے بنائے ہوئے اوقات کے پابند ہو گئے۔ انسان کو قدرتی اوقات کے نظام سے لاتعلق کر کے اپنے بنائے ہوئے نظام الاوقات کا پابند بنانے کا نسخہ بالآخر باز اور تجارت کی سرگرمیوں پر بھی نافذ ہونے لگا۔ یہ تبدیلی 1500 سال قبل آئی۔ رفتہ رفتہ پورا تعلیمی نظام بھی اس تصور کے مطابق ڈھال دیا گیا۔ آج کوئی اس کے بارے میں سوال یا شک نہیں کرتا ہے۔ متفرق نوعیت کے نظام الاوقات جو کارخانہ قدرت میں جل رہے ہیں ان کے ساتھ وحدت کے بجائے گھڑی کو، جو عبادت گاہوں، چوراہوں، تجارتی عمارت پر بالعموم نصب کی جاتی ہے، آلمہ بنالیا گیا۔ انسان کی زندگی گھڑی کی طرح مشین نوعیت کی ہو گئی۔ مشین دور کے تقاضوں کو پورا کرنے کے لیے مشین وقت کا تصور راجح کیا گیا۔

2۔ زندگی بجائے خود ایک گھڑی ہے۔ ایک مقرر میعاد اور طے شدہ مہلت ہے۔ گھڑی کی سوئی کو چلتے رہنا ہے لیکن قاب کا گھنٹہ گھر کس وقت دھڑکنا بند کر دے، اس کا کوئی پتا نہیں۔ زندگی کا وقت غیر یقینی ہے۔ یہ بات وقت گھڑی کی سوئیوں تک محدود کر دینے سے عملًا فراموش ہو گئی۔ مشین وقت کا مرکز و محور معاش اور کام بن گیا ہے۔ وقت کو عددی لحاظ سے ناپنا تو نایا یہ اپنی جگہ ضروری ہے لیکن اس کے نتیجے میں وقت کا ماڈلی تصور غالب آگیا۔ گھڑی جیسے وقت کو بنا کر دے رہی ہے۔ اس کے نتیجے میں یہ نیحال عام ہو گیا کہ وقت پر حکمرانی انسان کی ہے۔ نتیجتاً انسان کا اپنا وقت رہ گیا، نہ زندگی اس کی اپنی ٹھہری۔ وقت زندگی کا محتاج ہے۔ مغرب نے اس ترتیب کو اُٹ دیا ہے اور اس طرح انسان کو اس کے سب سے قیمتی اثاثے پر حق ملکیت سے محروم کر دیا اور زندگی کے اہم ترین موڑ موت سے بے پروا کر دیا۔ وقت کے اصل مفہوم کے لحاظ سے ذمہ داری کا شعور بھی اسی لحاظ سے تبدیل

ہو گیا۔

3۔ انسان کو اس کے خالق سے دُور لے جانے، خالق وقت کے دیے ہوئے تقاضوں اور قدرتی ربط اور فطری خواہ سے ذہنی طور پر باہر نکالنے کے عمل کی ساری کوشش تعلیمی نظام کے ذریعے ہوتی ہے۔ تربیت و تزکیہ، تعمیر و نشوونما کے فطری عمل کے اوپر سکولوں کی صورت میں مصنوعی عمل کو جس تصور کے ساتھ مسلط کیا گیا ہے اس کے نتیجے میں انسان اپنے آپ کو ایک گھڑی کا کل پر زہی سمجھتا ہے۔ وہ اس زندگی کی مہلت عمل میں ہمیشہ کی زندگی کا سودا کرنے کے بجائے اس مہلت عمل ہی کو انہتا اور آخری سمجھ کر صنعتی میدان کے لیے اپنے آپ کو کارآمد بنانے کے لیے خود کو حوالے کر دیتا ہے۔ انسان کلاس روم کے وقت سے سالہا سال کے بعد جب باہر نکلتا ہے تو دفتر اور کاروبار کے وقت میں بغیر کسی مشکل کے گم ہو جاتا ہے۔

وقت کے ساتھ طالب علم کے سیکھنے کی متوقّع رفتار، ماضی کی کارکردگی اور دوسروں کی کارکردگی کے لحاظ سے مستقبل کے بارے میں پیش ہیں کاسہ ہوت آمیز طریقہ اختیار کرنے سے انسان کی اندر وہی دنیا بے معنی ہو جاتی ہے۔ اس کی خودی اور اس کے اپنے بارے میں تصور کی کوئی اہمیت اس کی نظر میں نہیں رہ جاتی۔ وہ مسلسل خارج کے ساتھ اپنے اندر وہن کو دبانے، اور ہم آہنگ بنانا سیکھ جاتا ہے۔

4۔ روشن خیالی (Enlightenment) کے دور کے بارے میں کا جاتا ہے کہ یہ عقل اور دلیل کے غلبے کے آغاز کا دور ہے۔ سائنسی طرز فکر اور تجرباتی تحقیقات کے ذریعے حقائق معلوم کرنے کا دور یہاں سے شروع ہوتا ہے۔ اس حصے میں یہ کلیہ قائم ہو گیا کہ وقت کے ساتھ بذریعہ ترقی ہو گی، یعنی وقت ترقی کا ضامن ٹھہر گیا۔ آیندہ آنے والی کل میں انسانی تمدن اور تہذیب بہتر شکل میں ہو گی۔ اس طرح افکار کی قبولیت کے لیے جدید اور قدیم کا معیار قائم کیا گیا۔ جو نظریہ قدیم ہے وہ جدید کے مقابلے میں محض قدیم ہونے کی بناء پر قابل قبول نہیں ٹھہرتا۔۔۔ اور جو جدید ہے وہ خواہ صحیح نہ ہو، قابل قبول ہو

جاتا ہے۔ اس طرح جدیدیت (modernism) کے دور اور فلسفے کا آغاز ہوا۔ ادھر وقت کے بارے میں مادی نظریات نے انسانی تاریخ کے بھی مادی کشش کی بنیاد پر ارتقا کا نظریہ دیا۔ تاریخ کے جو رہنمائی کے لیے اہم ذریعہ ہے اس طرح اپنا اصل مقام حodo دیتی ہے۔

ظاہر ہے کہ خدا کی دی ہوئی رہنمائی سے بے غرض ہو کر انسان اگر اپنی کوشش سے حقیقت تک پہنچنے کی کوشش کرے گا تو وہ ہر آنے والے کل میں پہلے تسلیم شدہ حقائق کو مسترد بھی کرتا جائے گا۔ وقت کے اُپر یہ اعتبار کہ وہ بالآخر صحیح اور ترقی کی جانب لے جائے گا بہت بڑا دھوکا ثابت ہوا ہے۔ Logical positivism اور بتدرج ترقی (incremental positivism) کے اصول کا اطلاق طبیعیاتی نوعیت کی تحقیقات میں یوں مفید ہے کہ انسان مرحلہ بہ مرحلہ ہی تجربات و مشاہدات کا دائرہ وسیع اور گہرا کر سکتا ہے۔ آج کا کیا ہوا کام ہی کل کے لیے بنیاد فراہم کر سکتا ہے لیکن اس نظریے کا اطلاق زندگی کے تصورات اور نظام زندگی اور تہذیب کے اصول و مبادی کے دائے میں کامیاب نہیں رہا۔ معارف حق تو ایک طرف، حقیقت سے بھی صحیح تعارف نہ ہو سکا۔ ایک خبر کی جگہ دوسرا خبر لے لیتی ہے۔ تحقیقی میدان میں آج شک اور گمان کا غالبہ ہے۔ کوئی طریقہ ایسا نہیں کہ جس سے معلوم ہو جانے والی بات پر سب اتفاق کریں کہ یہ یقیناً صحیح اور صحیح ہو گی۔

5۔ جس تہذیب کا انہنجن ٹیکنا لو جی ہے اس میں ”نئے“ کا ہونا، نئے کا پیدا کرنا، نئے کا پسند کیا جانا، نئے کو ترجیح دینا اور اس کے ساتھ پرانے کو بدلتا، پرانے کو مسترد کرنا، پرانے کو کم تر جاننا بھی، ایک خاصہ ہے۔ صارفین کا مستقل مطالبہ ہوتا ہے کہ نیماڈل، نیا تصور، نیا طریقہ استعمال میں لایا جائے۔ نئے کو بہتر اور اعلیٰ کے مترادف سمجھا جاتا ہے۔ جو چیز پہلے سے ٹھیک کام دے رہی ہے اس کو حقیر اور بے کار قرار دیا جاتا ہے۔ اس کے نتیجے میں لباس، سواری، ثقافتی طریقہ، خاندانی روایات، اخلاقیات بھی ساتھ ساتھ تبدیل ہو جاتے ہیں۔ وہ اقدار جن سے بھلائی وابستہ ہے صرف اس لیے نہیں اپنا جاتی ہیں کہ وہ

پرانی ہیں اور پرانی بات یقیناً دقیانوئی ہے۔ وہ لباس کہ جواہی ٹھیک کام دے رہا ہے صرف اس لیے قبل زینت نہیں ٹھہرتا ہے کہ اب تراش خراش تبدیل ہو گئی ہے۔ وقت کے گزر نے کو صنعت نے کاروبار کو بڑھانے کا ذریعہ بنایا ہے۔ اس کے نتیجے میں ایک ایسی معيشت کی بنیاد پڑ گئی ہے جس کو اگر غور سے دیکھا جائے تو اصل کام مستقل فائدے کے بجائے عارضی فائدے اور بالآخر وہ اشیا بنانا ہیں جو ضائع ہو جاتی ہیں، جن کو بے وقت ہو جانا ہے۔ مقصد بتایا جاتا ہے کہ waste پیدا کرنا ہے، جب کہ نتیجہ value پیدا کرنا ہے۔

جب نئے اور پرانے کی بحث کا اطلاق معاشرے کے اوپر کیا جاتا ہے تو اس کا نتیجہ نسلی تفاوت (generation gap) اور بچوں کے والدین کو خبطی سمجھنے کی صورت میں لکھتا ہے۔

6۔ وقت کے تین مرحلے ہیں: ماضی، مستقبل اور حال۔ ان تینوں میں سے مغربی تہذیب اصل اہمیت آج، ابھی، اسی وقت، اسی لمحے کو دیتی ہے، یعنی حال میں بھی وہ فوری حال کو حال بعید یا مستقبل قریب کے مقابلے میں قبل ترجیح سمجھتی ہے۔ اس کے فوائد بھی ہیں اور نقصانات بھی۔ کام کرنے کے لیے اس لمحے کو جواہی بھی گزر رہا ہے۔ بڑی اہمیت ہے۔ جب تک کہ آج اور اسی وقت کوئی قدم نہ اٹھایا جائے گا کل بھی کچھ نہ ہوگا۔ آج کی آسانی، اس وقت کی کشادگی، اس لمحے کی مسرت، اس موقع سے زیادہ سے زیادہ فائدہ

اٹھانے کی کوشش، اور آج کا ہاتھ کو لگتا ہو افائدہ اس کی اہمیت کل سے یا کسی عہد سے یا کسی اخلاقی پابندی سے یا کسی اور وجہ سے مؤخر کرنے سے زیادہ ہے۔ اس طرح کل جو پیش آنے والا ہے اس سے آگھصیں بذرکر کے آج کو بہتر بنانے کی کوشش حاوی ہو گئے ہے۔

فوری خواہش کے اثرات کردار پر گھرے ہوتے ہیں۔ نفسانی جبلت اور دنیاوی رغبوتوں کی غلامی کا یہ انداز جرام اور ظلم کے راستے پر لے جاتا ہے۔ انسان اپنی اولاد کو قتل کر دیتا ہے کہ میرا رزق کم ہو جائے گا، اپنے والدین سے رشتہ توڑ لیتا ہے کہ یہ میری راحت میں کمی کا باعث ہوں گے۔

آج اور اس وقت کی طلب نے فوری (instantaneous) رجحان کو فروغ دیا ہے۔ ہر چیز تیار حالت میں ملے۔ اس کے باعث رفتار کے حصول کی اور اس کو بڑھانے کی کوشش ہوئی تاکہ جہاں پہنچنا ہو، جو کام کرنا ہو وہ فوراً ہو سکے۔ رفتار میں اضافے کے نتیجے میں وقت کا دباؤ کم ہونے کی توقع کبھی پوری نہ ہوئی بلکہ زندگی کی پیچیدگیوں میں اضافہ ہوا۔ جس سے نہیں کے لیے خود کاری (automation) اور سبک رفتاری (acceleration) کی ٹیکنالوجی آئی۔ عصر حاضر میں انسانی تمدن کے ارتقا میں ٹیکنالوجی کا بہت بڑا کردار ہے۔ انسانی معاشرہ اس کے ثابت اور منفی دونوں قسم کے اثرات میں آج گرفتار ہے۔

7۔ زیادہ سے زیادہ پیداوار اور کم سے کم وسائل کی جستجو کوئی بری بات نہیں۔ اس کے نتیجے میں وسائل ضائع ہونے سے بچ جاتے ہیں۔ وقت کم صرف ہوتا ہے، اخراجات کم ہوتے ہیں لیکن اس کا ایک منفی نتیجہ یہ نکلا کہ وقت کی قیمت لگ گئی۔ وقت خود تیقینی ہو گیا۔ وقت دولت اور کرنی کی طرح کی حیثیت اختیار کر گیا۔ پیغمبر وقت کا قائم مقام بن گیا۔ وقت کا ایک اظہار اس وقت کی خرید فروخت اور سودے سے ہونے لگا۔ جہاں بس چلا وہاں غلام بنا کر، زنجیروں میں جکڑ کر اور رنگ نسل کی تفریق کرتے ہوئے وقت کو پیداوار کے لیے زبردستی حاصل کیا گیا۔ سرمایہ داری اور جاگیر داری نظام میں وقت پر تسلط قائم کیا گیا۔ وقت دینے کو زندگی دینے کے برابر سمجھ لیا گیا۔ جس سے کچھ وقت لینے کا سودا ہوا، اس کی پوری زندگی کو بھی ساتھ ہی قابل تصرف سمجھ لیا گیا۔ یہی وجہ ہے کہ جب مغرب میں ٹریڈ یونین کے ہنگامے ہوتے تھے تو مزدور فیکٹری کی گھٹری ضرور توڑ دیتے تھے، اس لیے کہ وہ استھان کی علامت تھی۔ وہ حاکم کے حق میں اور مکوم کے خلاف فیصلہ دیتی تھی۔

8۔ مغرب نے وقت کے ساتھ ہم آہنگی (time culture) کا تصور اجرا کیا ہے تاکہ پہلیتی ہوئی اجتماعی زندگی کو باندھا جائے۔ اس سے آسانیاں پیدا ہوتی ہیں۔ یہ تصور اور شوق ساری دنیا میں پھیل رہا ہے۔ انفرادی اور اجتماعی معمولات منظم ہوتے ہیں۔ لیکن اگر کوئی تصور ملکیتی وقت، یعنی (property time) یا اپنے وقت (self time) کا

تحاتو وہ بتدریج سکرتا چلا گیا۔ وقت کے مرکز ادارے اور افراد کا منشا وقت کے بارے میں بھی حاوی ہو گیا۔ کچھ لوگوں کے پاس وقت زیاد ہے اور کچھ کے پاس کم۔ کچھ کو محسوس ہوتا ہے کہ وقت ان سے چھینا جا رہا ہے، جب کہ کچھ حصہ منشطف انداز ہو رہے ہوتے ہیں۔ غریبوں کے حصے میں انتظار اور پھر امیدوارانہ مایوسی ہی آئی۔ کمزور کام کے لیے انتظار کرتا رہتا ہے، بہتری کی توقع رکھتا ہے اور وقت کو گزارنے کا بندوبست کرتا ہے، ادھر امیر اور با اختیار کا وقت بھی اس طرح مختلف طالبوں کے شانچے میں پھنسا ہوارہتا ہے کہ وہ ساری زندگی self time کے حصول اور اضافے کی کوشش میں سارا وقت گنوادیتا ہے۔

9۔ میڈیا ٹیکنالوجی سکرین کی مدد سے نشریاتی رابطوں (broadcasting networks) کے تعاون سے ایک جانب شعور اور تاثرات میں یکسانیت اور کسی واقعہ اور خبر کے بیک وقت مشاہدے کی سہولت فراہم کرتی ہے۔ اس سے اثر وغزوہ کی را ہیں تو بڑھ گئیں لیکن ہم آہنگی کا ایک غلط تاثر قائم ہو گیا۔ ایک وقت میں مختلف گوشوں میں پھیلے ہوئے افراد کے درمیان یکسانیت پیدا کرنے کے لیے ان کو مشترک طور پر کسی عمل میں شریک ہونے کا موقع وقت کے اختلاف، فاصلوں کی نوعیت کو زائل کر دیتا ہے۔ عالمیت کو تقویت پہنچانے کے لیے یہ ہم آہنگی کا سراب (illusion of simultaneity) اہم کردار ادا کر رہا ہے۔ وقت کو سمیانا (time compactness) اور اختلاف وقت کے نتیجے میں شعور و احساس کے اختلاف کے امکان کو کم کرنا جدید کاروباری کوششوں کا اہم مرکز ہے۔ ایک وقت میں دنیا بھر سے کروڑوں افراد کسی ایک جگہ ہونے والے میچ یا جنگ کا مشاہدہ کر رہے ہوتے ہیں۔ وقت میں جو ہیجانی کیفیت پیدا ہوتی ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ دائرة کار بڑھ گیا ہے۔ جو پہلے فاصلے کی وجہ سے متعلق نہ تھے وہ بھی براہ راست اثر انداز ہوتے ہیں۔

وقت: اسلامی تصورات

ڈاکٹر حسن صہیب مراد

وقت کو عقیدہ توحید کی روشنی میں سمجھنے کی کوشش کی جائے تو مغربی تصورات (اپریل 2003ء) سے بکسر مختلف تصویر بنتی ہے۔ فہم وقت کا یہ انداز خلافت ارضی پر مبنی انسانی زندگی کے تقاضوں اور ضروریات کا کامل طور پر لحاظ رکھتا ہے۔ سب سے بڑھ کر یہ کہ اللہ تعالیٰ کی شانِ تخلیق کو آشکار کرتا ہے، اس کی شانِ ربوبیت پر دلالت کرتا ہے اور بندے کو اپنے رب سے جوڑ دیتا ہے۔ حقیقتاً یہ تصور انتہائی جاندار ہے۔

وقت پر غور و فکر ہر انسان کے بس میں ہے۔ گردش لیل و نہار، آنکھیں ایام، اور تماشے دنیا میں انسان مشاہدے، تجربے کے علاوہ ایک سرگرم کارکن کی حیثیت سے اثر لیتا ہے اور ڈالتا ہے۔ روزمرہ کے واقعات وقت کے مختلف پہلوؤں کو اُجاگر کرتے ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ وقت ایک ڈرانے والی اور جھنجھوڑنے والی شے ہے۔ یہ ایک ایسا چیز ہے جو خوش کنم کم اور خوف ناک زیادہ ہے۔ وقت سراب کی طرح نظر آتا ہے۔ انسان لمحات کی تلاش میں، گزشتہ واقعات کی یاد میں، اور توقعات کے پورا ہونے کے انتظار میں اور تیزی سے گزرتے ہوئے وقت کو کسی کام سے بھرنے کے بارے میں سوچتے سوچتے گزر جاتا ہے۔ یہ ایسا جام ہے جو غافل کو اور دھوکے میں رکھتا ہے اور سوتے ہوئے کو اور مدھوش کر دیتا ہے۔ جو اس کے پیچھے ہوتا ہے، وقت اس سے آگے بھاگتا ہے۔

وقت مomin کے لیے نعمت ہوتا ہے۔ ایمان گزر جانے والے وقت کو مخوبیں ہونے دیتا بلکہ اس کو ہمیشہ کے لیے امر بنادیتا ہے۔ ایمان وقت کے انتظار سے بچاتا ہے، قوتِ عمل کو بروے کار لانے کا داعیہ فراہم کرتا ہے۔ ہر لمحہ، ہر لحظہ، ہر آن ہمیشہ کی زندگی کا نیا باب کھول دیتا ہے۔

اللہ کی نصرت سے وقت سکھرتا ہے اور پھیلتا ہے۔ کام آسان ہو جاتے ہیں، راہیں کھل جاتی ہیں۔ مزید کام کرنے کا موقع مل جاتا ہے۔ جو زندگی پلک جھکتے گز رجاتی ہے وہ ابدی ولازوں نعمتوں کی حقیری قیمت ٹھہرتی ہے۔ ایسی زندگی آہ! کاش! اور انتظار کی صعوبت سے نا آشنا رہتی ہے۔ وقت اس کی مٹھی میں بندرا رہتا ہے۔ جو وقت کے پچاری ہوتے ہیں وہ محروم رہ جاتے ہیں اور جو وقت کے شکاری ہوتے ہیں وہ اسے سرگوں کر لیتے ہیں۔

وقت اللہ تعالیٰ کی ایک تخلیق ہے بلکہ یہ کہنا زیادہ موزوں ہو گا کہ ایک ایسی تخلیق ہے جو دیگر ماڈی تخلیقات سے قبل وجود میں آتی ہے۔ تخلیق عمل کے تسلسل کا اسٹیچ وقت کی لہر پر استوار ہے۔ یہ اللہ تعالیٰ کی تخلیقات کے درمیان رابطہ اور تعلق کا وسیلہ بھی ہے۔ اس لیے وقت پر غور و فکرانسان کو اللہ تعالیٰ سے قریب لے آتا ہے۔ اللہ تعالیٰ ہی معبود و حقیقی ہے۔ اس پر ایمان وقت کے میعاد پر انسانی زندگی اور تمام ماڈی اشیا کے فانی ہونے اور اللہ تعالیٰ کے ابدی وجود کو داشگاف حقیقت کو دیکھ کر ہو جاتا ہے۔ غیب تک رسائی وقت کے نظام پر غور کرنے سے ہو جاتی ہے۔ آیت الکرسی میں اللہ تعالیٰ نے وقت اور اس کی بعض خصوصیات کے بارے میں بیان فرمایا ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

”اللہ وہ زندہ جا وید ہستی، جو تمام کائنات کو سنبھالے ہوئے ہے، اس کے سوا کوئی خدا نہیں وہ نہ سوتا ہے اور نہ اسے اونگلکتی ہے۔ زمین اور آسمان میں جو کچھ ہے، اُسی کا ہے۔ کون ہے جو اس کی جناب میں اُس کی اجازت کے بغیر سفارش کر سکے؟ جو کچھ بندوں کے سامنے ہے اسے بھی وہ جانتا ہے اور جو کچھ ان سے اوچھل ہے، اس سے بھی وہ واقف ہے اور اس کی معلومات میں سے کوئی چیز ان کی گرفت اور اک میں نہیں آ سکتی لا یہ کہ کسی چیز کا علم و خود ہی ان کو دینا چاہے۔ اس کی حکومت آسمانوں اور زمین پر چھائی ہوئی ہے اور ان کی نگہبانی اس کے لیے کوئی تھکا دینے والا کام نہیں ہے۔ بس وہی بزرگ و برتر ذات ہے۔ (القرآن: 2:258)

اس آیت کے مطابق اللہ تعالیٰ کی ذات کے لیے وقت کا وہ سانچہ یا معیار جو انسانی زندگی کے ساتھ متعلق ہے، استعمال نہیں ہو سکتا۔ اللہ تعالیٰ کی ذات نظمِ وقت کی خالق ہے، اور وہ خود

تمام پہلوؤں سے اُس وقت کے نظام سے ماورا اور بالاتر ہے۔ اللہ زندہ وجاوید ہے جی وقیوم ہے۔ یہ وقت کا کون سا تصور ہے؟ اس کا ادراک شاید انسان کے بس کی بات نہیں ہے۔ زمین اور آسمان میں جو وقت برپا ہے اس کے محدود علم کے ساتھ اللہ تعالیٰ کے بارے میں اندازہ لگانا بہت بڑی غلطی ہوگی۔ یہ ایسے ہے کہ جیسے ہمیں معلوم ہے کہ اللہ جیل ہے لیکن اس خوب صورتی کا ادراک انسانی ذہن کی صلاحیت سے باہر ہے۔ اللہ تعالیٰ کے وقت اور کام میں تھکن اور نیند کا کوئی دخل نہیں ہے۔ اس کے مقابلے میں انسانی وقت دورے کی مانند چلتا ہے۔ جو روزانہ ایک بار ایک دورہ مکمل کرتا ہے۔ اس سے آگے بڑھ کر ماہ و سال کا دورہ ہوتا ہے، اور پھر پوری زندگی اپنا دورہ مکمل کر لیتی ہے۔ قرآن میں اللہ تعالیٰ یہ بھی فرماتا ہے کہ انسان پہلے بچ ہوتا ہے اور پھر مختلف ادوار سے گزر کر دوبارہ بچ کی طرح محتاج بن جاتا ہے۔ اس طرح زمانے کے بارے میں بھی اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ یہ بار بار لوٹ کر آتا ہے، عروج و زوال کی تصویریں بنتی اور بگڑتی ہیں۔ سورۃ آل عمران میں آیا ہے کہ یہ تو زمانے کے نشیب فراز ہیں جنہیں ہم لوگوں کے درمیان گردش دیتے رہتے ہیں۔ (آیت 140)

اللہ تعالیٰ کی ذات کے لیے وقت نہ دورہ ہے اور نہ ہی کوئی کلیر جو کھنچ دی گئی ہو۔ علامہ اقبالؒ کے نزدیک اس کائنات کے وقت کی حیثیت ایک ایسے خط کی ہے کہ جو مسلسل حرکت پذیر ہے۔ اس کے سارے مراحل اور نقش عملاً پہلے سے بتائے نہیں جاسکتے ہیں۔ یہ تیرنہیں کہ جو چھوڑا جا چکا ہو۔

انسانی جسم وقت گزرنے کے ساتھ تھک جاتا ہے۔ وقت کا بوجھ اسے مجبور کر دیتا ہے کہ وہ کام سے دست بردار ہو جائے۔ آرام اور کام کا پھیر و تفویں کی شکل میں بار بار آتا ہے اور یہ طبعاً انسان کی ضرورت ہے۔ اللہ تعالیٰ یہ باور کرتا ہے کہ وہ اس سے بالاتر ہے۔ آیت الکرسی کی آیت کے درمیانی حصے سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ دورانی نوعیت کا یہ وقت دراصل ایک مخصوص سمت میں آگے بڑھ رہا ہے۔ اس کا مدار مسلسل اس کو ایک منزل کی جانب لے رہا ہے۔ وقت بذاتِ خود حالتِ سفر میں ہے اور وقت کا وہ مرحلہ جو انسان دنیا میں گزارتا ہے ایک مهلت اور

آزمایش کی شکل میں ہے۔ یہ وقت اپنا بڑا دورہ مکمل کر کے اُس مقام پر پہنچ گا جہاں اللہ تعالیٰ کے حضور واپسی ہوگی۔ دن اور رات کا پھیر، زندگی کا پھیر اور پھر زمین اور آسمان کے وقت کا پھیر اور آخر میں انسانیت اسی مرحلے پر واپس پہنچ جائے کہ جہاں سے سفر کا آغاز ہوا تھا۔

آیت الکریٰ کے آخر میں اللہ تعالیٰ اپنی قدرت اور اقتدار کی تصدیق فرماتے ہوئے علم کے احاطے کا ذکر کرتے ہیں۔ جو کچھ انسان کے سامنے ہے اور جو کچھ اجھل ہے، اس میں سب کچھ آگیا ہے۔ عبادت کے لائق کوئی ایسی ہی ذات ہو سکتی ہے کہ جو وقت کی خالق ہو، جس کی مشیت وقت پر غالب رہ سکتی ہے اور جو وقت کی منزل یعنی آخرت کا مالک ہو۔ جب کہ انسان کا معاملہ یہ ہے کہ وہ موت کے بعد زندہ ہوا اور زندگی کے بعد پھر موت سے ہمکار ہو کر دوبارہ زندگی پاتا ہے۔ انسان اپنے وقت اور کام کے معاملے میں مجبور ہے۔ نہ وہ اپنے وقت پر قادر، نہ اپنے کام کو از خود لینے کے لیے خود مختار۔ وہ محتاج ہے اور اپنے عالم قید سے باہر نہیں نکل سکتا ہے۔

آیت الکریٰ میں اللہ تعالیٰ نے چار انداز کے اوقات بتائے ہیں۔ ایک وہ وقت جو زمین اور آسمان میں پائے گئے وقت کی پیمائش اور تصور سے مبراء ہے۔ یہ وہ وقت ہے جس کی تعریف صرف اور صرف اللہ تعالیٰ ہی کو سزاوار ہے۔ وہ خود زندہ ہے اور قائم ہے۔ وہ تمام مشرقین و مغاربین اور میقات و قطبین کا خالق اور مالک ہے۔ دوسرا وقت وہ ہے جو زمین اور آسمان میں ہے۔ اس وقت کو سائنسی انداز میں سمجھا جاستا ہے۔ اس کی خصوصیات، تحریک اور فکر کے نتیجے میں واضح ہو سکتی ہے۔ تیسرا وقت ہر انسان کا اپنا وقت ہے۔ یہ وقت زمین اور آسمان میں پائے جانے والے نظم وقت ہی کے تابع ہے۔ لیکن ہر انسان اپنی مخصوص مہلت اور مدت کے لیے آتا ہے۔ چوتھا وقت آخرت کا وقت ہے۔

مغربی تصورات نے فہم وحدت کی حدود سے آخرت کو بے دخل کر کے اس کو ایک ایسی ریل گاؤں بنادیا ہے جس کے نیچے پڑھی نہیں ہے۔ اور پونکہ پڑھی نہیں اس لیے اس کا کوئی اسٹیشن بھی نہیں ہے۔ زمینی، کائناتی، انسانی، علمی، معاشرتی، تاریخی، کسی بھی نقطہ نظر سے وقت کا تصور قائم کرنے کے لیے وقت کا سر انتلاش کرنا ہوگا۔ وقت کی منزل، اس کی ابتداء اور انتہا کا اندازہ

لگانا ہوگا۔ وقت کی سمت سے لاعلمی یا بے توجیہ کے نتیجے میں وقت ایک حسابی مشق بنا کر رہ جاتا ہے۔ اس کا میکا نیکی تصور بے جان ہے اور انسانی زندگی کو منح کر دیتا ہے۔ وقت ایک ایسا معتمد ہے جس کی تہہ تک پہنچنے کے لیے انسان کو اپنے حس و شعور کی گہرائیوں اور تجرباتی و مشاہداتی صلاحیتوں کو استعمال کرنا ہوتا ہے۔ یہ ایک کینیت بھی ہے اور حقیقت بھی۔ ایک قدر بھی ہے اور خبر بھی۔ ایک قوت بھی ہے اور ہتھیار بھی۔ ایک موقع بھی ہے اور نتیجہ بھی۔

وقت کا آغاز حضرت آدمؑ کی تخلیق سے قبل ہوا تھا۔ قرآن میں اللہ تعالیٰ نے حضرت آدمؑ کی تخلیق سے قبل زماں و مکال کی صورت گری اور بیت سازی کرنے کا اشارہ کیا ہے۔

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: ”تم اللہ کے ساتھ کفر کارویہ کیسے اختیار کرتے ہو، حالانکہ تم بے جان تھے، اس نے تم کو زندگی عطا کی، پھر وہی تمہاری جان سلب کرے گا، پھر وہی تمحصیں دوبارہ زندگی عطا کرے گا، پھر اسی کی طرف تم کو پلٹ کر جانا ہے۔ وہی تو ہے، جس نے تمہارے لیے زمین کی ساری چیزیں پیدا کیں، پھر اور پر کی طرف تو جفر مائی اور سات آسمان استوار کیے۔ اور وہ ہر چیز کا علم رکھنے والا ہے“، (البقرہ: 29-28)

انسان کو خلیفہ کی حیثیت سے بنانے سے قبل زمین کو انسان کے لیے تیار کر دیا گیا تھا اور زمین نے اپنا دورہ شروع کر دیا تھا۔ زمینی وقت میں دن اور رات کی گردش، موسمیاتی تغیرات، ماہ و سال، صدی و ہزاروں کا ایسا نظام بنایا گیا ہے کہ انسانی زندگی کی بقا اور اس کے تمدن کا ارتقا ممکن ہو جائے۔ تمام قدرتی عوامل وقت کے نظم کے پابند ہیں۔ ہر شے اور ہر فعل کے ساتھ وقت کی تقدیر مطلق ہے۔

زمینی وقت کا، جس کا اہتمام انسانی زندگی کو ممکن بنانے کے لیے کیا گیا ہے، نقطہ اختتام قیامت ہے۔ یہ دن ہے جب وقت کا دورہ تھم جائے گا۔ اس کا پھیراں کو ایک ایسے مقام تک پہنچا دے گا جہاں یہ پورا نظم وقت تھس نہس ہو جائے گا۔ زمین اور آسمان کے درمیان جو کچھ ہے وہ وقت کے اس دورے اور پھیرے کے اوپر اپنی زندگی بقا کے لیے منحصر ہے۔ کوئی شے، کوئی زمینی عمل، بس اتنا ہی پائیدار ہو سکتا ہے جتنا کہ زمینی وقت۔ زمین اور آسمان کے درمیان ہر شے

اس وقت کو قائم رکھنے اور اپنے عرصہ حیات کو پورا کرنے کی کوشش کر رہی ہے۔ وقت کے کندھوں پر یہ سفر ان کو آغاز سے فنا کی طرف لے جاتا ہے۔

زمینی وقت کی خصوصیات میں اس کے نقطہ آغاز نقطہ اختتام، دورے اور پھیرے کی شکل میں مسلسل حرکت، مدت اور مہلت کے تعین اور آخرت کی سمت کی جانب بہاؤ کے علاوہ ایک اور بڑی خصوصیت اس کا مختلف مرحلوں اور ادوار میں قابل تقسیم ہونا ہے۔ اس طرح واقعات کا ہونا ممکن ہو جاتا ہے اور وقت کا میدان مختلف مدارج سے گزرنے کے قابل بناتا ہے۔ سورۃ البقرہ کی اُپر پیش کی گئی آیت میں زمینی وقت کے ساتھ انسانی زندگی کی پانچ حالتوں کا ذکر کیا گیا ہے۔ انسان پہلے بے جان تھا، پھر اس نے زندگی پائی اور اپنے عرصہ حیات کو مکمل کر کے دوبارہ بے جان ہو گیا۔ اس کے بعد پھر اسے زندگی دی جائے گی اور وہ اللہ کی طرف پلٹ کر جائے گا۔ ہر انسان کی ایک حالت سے دوسری حالت کی طرف منتقلی وقت کی اپنی منزل کی جانب مسلسل پیش رفت کا ثبوت ہے۔

انسانی شعور کو اللہ تعالیٰ نے یہ صلاحیت دی ہے کہ وہ اپنے جسم و جان کے زمینی وقت کی حدود و قیود میں مجھوں اور پابند ہونے کے باوجود آخرت اور اس کے بعد کے وقت کا نہ صرف ادراک کر سکتا ہے بلکہ غیب سے تعلق جوڑتے ہوئے آخرت اور دوزخ و جنت کی کیفیات کو پاسکتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کے قریب ہو سکتا ہے۔ انسان اور کسی بھی دوسری تخلیق میں جزوی میں وقت میں گرفتار ہے یہ ایک بنیادی فرق ہے۔ قرآن میں اللہ تعالیٰ نے اہل تقویٰ کی یہی صفت بیان کی ہے کہ ”اور آخرت پر یقین رکھتے ہیں“ (البقرہ: 4:2)۔

گویا انسان آخرت کو اس انتہا تک دیکھ سکتا ہے جہاں اُس کو یقین ہو کہ وہ وقت موجود ہے، بلکہ اگر حضرت جرجسیل علیہ السلام کے اس سوال کے جواب میں کہ احسان کیا ہے؟ رسول اللہ ﷺ کے ارشاد پر غور کیا جائے کہ ”تم اللہ کی عبادت اس طرح کرو کہ تم اللہ کو دیکھ رہے ہو۔ اگر تم اس کی قدرت نہیں رکھتے تو اللہ کی عبادت اس طرح کرو کہ وہ تمھیں دیکھ رہا ہے“، یعنی غیب کو بغیر اپنی آنکھوں سے دیکھے انسان چشمِ بصیرت سے پاسکتا ہے اور اپنے دل میں جذب کر

سلتا ہے۔ اللہ تعالیٰ یہ چاہتا ہے کہ انسان طبیعی لحاظ سے زمینی وقت کے تابع رہتے ہوئے بھی حقیقی طور پر آخرت کے وقت پر یقین رکھے اور اپنے آپ کو اس کے لحاظ سے تیار کرے۔ تجرباتی و مشاہداتی سطح پر اس کا اس طرح ادراک کرے جیسے اس کو دونوں آنکھوں سے نظر آجائے والی کسی چیز کا ہو سکتا ہے۔ ایمان بالآخرت نام ہی بیک وقت دو اقسام کے وقت کی مختلف حالتوں اور ان کے تقاضوں کو سمجھنے اور برتنے کا نام ہے۔ ایمان سے محرومی کے نتیجے میں انسان اپنے آپ کو آخرت کے وقت کے اُن عظیم تصورات اور اس کے لامتناہی اثرات سے الگ کر لیتا ہے۔ وہ ایک سماکت نما وقت کی سلسلہ وار حرکت اور اس کے بتدرنگ ماد و سال کی صورت میں آگے بڑھنے کی حد تک محدود ہو جاتا ہے۔ وقت کا ایسا سماکت اور یک رُخا تصور انسانی زندگی کو بے معنی بنا دیتا ہے۔ زندگی کی ابتداء اور اس کی انتہا کے سارے مرحلے اچھل ہو جاتے ہیں۔ انجام کا را اور اتمام سعی کی فکر ختم ہو جاتی ہے۔ ذمہ داری اور جواب دہی کے ذریعے نظم پیدا نہیں ہو سکتا ہے۔ ظاہر ہے زندگی کی تعریف اور اس کا تقاضا وقت کے آئینے ہی میں ہو سکتا ہے۔

کسی انسانی جان کی پیدائش یا اس کا خاتمه اناللہ وانا الیہ راجعون کی نشانی ہوتا ہے، یہ آیت انسانی زندگی کے دورہ کو سمیٹ لیتی ہے۔ اللہ ہی کی طرف سے آتی ہے اور اسی طرف واپس لوٹ کر چلی جاتی ہے۔ کیلئہ را اور گھڑی کے بتائے ہوئے وقت سے ایک گاڑی کی طرح وقت کے آگے بڑھنے یاد ریا کے بننے کی طرح وقت کے گزرنے کا تاثر تولتا ہے لیکن وقت کا مہلت اور میعاد ہونے کا تاثر نہیں ملتا ہے۔

آخرت کے وقت کی فکر میں جذب ہو کر زمینی وقت کی مجبوریوں کو ختم کیا جا سکتا ہے، اس کی پابندیوں سے بالآخر آزاد ہوا جاسکتا ہے۔ زماں کی حدود، مکاں کی قیود کا پیش خیمہ ہوتی ہیں۔ زماں و مکاں کا نظام انسانی زندگی کی استواری کے لیے قائم کیا گیا ہے۔ اس کے خول سے ایمان کے نتیجے میں ہی باہر نکلا جاسکتا ہے۔ مثال کے طور پر لیلۃ القدر کا انعام ایک ہزار مہینوں کی عبادت کے برابر قرار دیا گیا ہے۔ ایک ہزار مہینوں کا مطلب 30 ہزار دن یا 83 برس سے زائد

کی عمر ہے، یعنی ایک رات یا پانچ راتوں کی عبادت ایک زندگی اور ایک عمر کے برابر قرار دی گئی ہے۔ 10 سال اگر لیلۃ الفدر کا اہتمام کیا جائے تو 10 زندگیاں نذر ہو گئیں۔ ایمان کے علاوہ وہ کون سادوسرا راستہ ہے جو ایک رات کی یہ قیمت دے سکتا ہو۔ اس طرح ہر نیکی کا مم از کم اجر 10 گنا ہے اور زیادہ سے زیادہ اللہ تعالیٰ کی رضا پر منحصر ہے۔ شہادت موت کو شکست دے دیتی ہے۔ موت کو موت کا شکار کر دینا نظم وقت کے طبعی اصولوں کی اور سائنس دانوں کے فہم و فراست کی روشنی میں ممکن ہی نہیں ہے۔ یہ صرف ایمان بالآخرت کی وجہ سے ممکن ہے۔

تاریخوں کے تعین کے لیے اسلامی کیلندر قمری حساب سے استوار ہوتا ہے۔ چاند میں کے گرد گھومتا ہے اور زیمن سورج کے گرد گھومتی ہے۔ قرآن میں اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے کہ ”اے نبی! لوگ تم سے چاند کی گھٹتی بڑھتی صورتوں کے متعلق پوچھتے ہیں۔ کہو یہ لوگوں کے لیے تاریخوں کے تعین کی اور حج کی علامتیں ہیں“ (البقرہ: 189)

اس آیت سے قبل جو آیت ہے وہ لوگوں کے مال ناروا طریقے سے نہ کھانے کی ہدایت کرتی ہے۔ سمشی نظام کو اختیار کرنے کی ایک وجہ دراصل سود خوری تھی۔ روی دور میں سود کا حساب رکھنے کے لیے کیلندر کی صورت میں ایام اور ماہ و سال کا حساب رکھا جانے لگا۔ اس کے نتیجے میں موسم اور دوسرے قدرتی تغیرات کا حساب تو رکھا ہی جاتا تھا۔ اسلام کیلندر کے لحاظ سے قمری اور دن میں عبادات کے اوقات کے تعین کے لیے سورج کو ذریعہ بناتا ہے۔ نمازوں اور رمضان میں سحر و افطار کا حساب سورج سے ہوتا ہے، جب کہ رمضان اور حج کا حساب چاند سے رکھا جاتا ہے۔ چاند کے ذریعے وقت کا دورانی حساب رکھا گیا ہے اور سورج کے ذریعے وقت کا سلسہ جاتی حساب رکھا گیا ہے۔ وقت کا پیغام دورے کے لحاظ سے پہنچنے کا ہے، گھیرا مکمل کر جانے کا ہے اور مدت کے لحاظ سے دو واقعات کے درمیان عرصے کی پیمائش کا ہے۔ اسی لیے گھڑی سورج کے حساب سے مدت بتاتی ہے۔

وقت کے ذریعے سے واقعات رونما ہوتے ہیں۔ انسانی عمل کا وسیلہ وقت کی سواری ہے۔ وقت کے دو مرحلوں میں جو تبدیلی واقع ہوتی ہے وہ ایک واقعے کی شکل اختیار کر لیتی ہے۔ اللہ

تعالیٰ کی تخلیق کا یہ اولین مظہر توحید کا بھی بہت بڑا ثبوت فراہم کرتا ہے۔ قرآن میں آتا ہے کہ ”اللہ ہی زندہ کو مردہ سے نکالتا ہے اور وہی مردہ کو زندہ سے خارج کرنے والا ہے۔ یہ سارے کام کرنے والا تو اللہ ہے، پھر تم کدھر بہکے چلے جا رہے ہو؟ پرہ شب کو چاک کر کے وہی صح نکالتا ہے۔ اسی نے رات کو سکون کا وقت بنایا ہے۔ اسی نے چاند اور سورج کے طلوع و غروب کا حساب مقرر کیا ہے۔ یہ سب اسی زبردست قدرت اور علم رکھنے والے کے ٹھیڑائے ہوئے اندازے ہیں“۔ (الانعام: 6:96)

اس آیت میں اللہ تعالیٰ وقت کو وقت کے ساتھ ارتقا کو، تخلیق کے تسلیل کو، زندگی اور موت کے مدارج کو، توحید کی دلیل کے طور پر پیش کر رہا ہے، یعنی وقت، توحید اور تخلیق ان تینوں کا تعلق اس آیت میں ظاہر ہے۔ مغرب کے مادی اور مشین تصور کے مقابلے میں اسلام وقت کو زبردست تخلیقی تحریک اور قوت کا رکنے طور پر پیش کرتا ہے۔

سورج اور زمین اپنے نجھوڑ اور مدار پر ہیں۔ لیکن ان کے تعلق میں اس انداز سے تبدیلیاں آتی ہیں کہ اس دنیا میں نباتات، جمادات، حیوانات اور انسان کی زندگی کی بقا، نسل کے تسلیل اور پھیلاو کا اہتمام ہو جاتا ہے۔ دن اور رات کا اختلاف، رات کی تاریکی میں دن کا نکل آنا اور دن کی روشنی کا ڈھل کر دوبارہ رات ہو جانا، یہ ایک ایسا عمل ہے جو اپنے اندر معانی کا ذخیرہ رکھتا ہے۔ دن اور رات کا اختلاف درحقیقت دو مختلف اور مختلف حالتوں کی موجودگی کی دلیل ہے۔ اس دنیا میں بھی ایسا ہی ہے۔ دو قویں حق اور باطل کی ہیں، خبر اور شر کی ہیں، ایمان اور کفر کی ہیں۔ دن کی روشنی دعوتِ عمل دیتی ہے، رات کی تاریکی طلب سکوت لے کر آتی ہے۔ دن کا پوری طرح سے روشن ہو کر پھر بتدریج مدد ہم ہو جانا اور رات کے سماں کا چھا جانا، اس دنیا کی عارضی چکا چوند کا ثبوت ہے۔ فنا ہو جانا اور ختم ہو جانا جو اس کا مقدر ہے، اس کا انلہار ہے۔ جس خدا کے ہاتھ میں دن اور رات کا آنا اور جانا ہے اس کے ہاتھ میں عزت و ذلت بھی ہے۔ زندگی کے بعد موت کی یاد ہانی کے لیے شام کا اور پھر رات کا آنا بہترین تذکیر ہے۔

دن اور رات کا مسلسل ایک ڈھب پر ایک اصول کے مطابق آنا اور جانا، اس کائنات

میں تنظیم، ترتیب، اور چیم حركت کی نشانی ہے۔ جمود کے مقابلہ میں تبدلی پر مبنی فطرت کا اظہار ہے۔ تغیر اور تبدل کا پیغام ہے۔ اس تبدلی کے ساتھ ہم آہنگ ہونا، اس کے تقاضوں کا موثر جواب دینا، اس کی ضرورت کا شعور اور احساس کرنا، کامیاب زندگی کا تقاضا ہے۔ انسان کی زندگی کو جہاں کی حرارت چاہیے تاکہ روشنی اور گرمی پہنچے، وہیں رات کا سکون اور ٹھنڈک بھی چاہیے تاکہ قوتِ عمل کوتازہ کیا جائے اور زندگی کو جو گھر اور باہر تقسیم ہو جاتی ہے، مربوط کیا جائے۔ زندگی کے خارجی اور اندرونی پہلوؤں میں توازن پیدا کیا جائے۔ دن کو دنیا نظر آتی ہے اور خوب متأثر کرتی ہے، اپنے آپ سے وابستہ کر لیتی ہے۔ رات کو آسمان کے نیچے ستاروں کا خوب صورت ہجوم نظر آتا ہے۔ نگاہ اوپر اٹھ جائے تو واپس نہیں آتی۔

دن اور رات کا آنا اور جانا موسیقی تبدیلیاں لے کر آتا ہے۔ ہواؤں اور بارش کا نظام، درجہ حرارت کی تبدیلیاں اسی عمل سے وابستہ ہیں۔ زمین کے سینے میں چھپا ہوا دنہ اللہ تعالیٰ کی توجہ سے کوپل بن کر رکلتا ہے۔ مختلف موسم مختلف انواع و اقسام کے پھل لاتے ہیں۔ زمین میں زندگی پاناتو دیسے ایک دفعہ ہی ہوتا ہے اور زندگی کا موت کی صورت میں تبدیل ہونا بھی۔ لیکن روزانہ اٹھنے اور سونے کا جوانسانی عمل ہے اس کو بھی زندگی اور موت سے شبیہ دی گئی ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: ”وَهִيَ هُنْجَانُ الْأَنْعَامِ“ (الانعام: 60:6) جو رات کو تمہاری رو جیں قبض کر لیتا ہے اور دن کو جو کچھ تم کرتے ہو اسے جانتا ہے۔ پھر روز وہ تم کو اس کاروبار کے عالم میں واپس بھیج دیتا ہے تاکہ زندگی کی مقرر مدت پوری ہو۔ آخر کار اسی کی طرف تمہاری واپسی ہے۔ پھر وہ تمھیں بتادے گا کہ تم کیا کرتے رہے ہو۔

زندگی اور موت جیسی حالت میں، روزانہ بتلا کرنے کا مقصد، اس بات کو مسلسل تازہ رکھتا ہے کہ ایک وہ وقت آئے گا جب بند ہونے والی آنکھ دوبارہ حسب معمول نہیں کھلے گی اور جب اس دنیا سے رشتہ کٹ جائے گا۔ اس لحاظ سے طبعی وقت ایک ڈرانے والا وقت ہے۔ یہ لرزہ طاری کرنے کے لیے کافی ہے۔ جس وقت میں الحادثۃ، القارعۃ، الواقعہ جیسے ہولناک موڑ کا آنا یقینی ہو، اس کا ہر لمحہ کتنی نازک ذمہ داری لے کر آتا ہے۔

دن اور رات کے عمل کے بغیر زمین اور آسمان کی تخلیق مکمل نہیں ہو سکتی تھی۔ وقت کا جو نظام اس طرح تشکیل پا گیا وہ ایک قرینہ فراہم کرتا ہے، ایک فطری اسلوب اور قدرتی ڈھانچا بن جاتا ہے۔ اس کائنات کی ہر شے اپنے نمو اور ارتقا کے نظام کے لیے لیل و نہار کی گردش کی تابع ہے۔ تخلیق کا یہ عمل دن اور رات کے رُک جانے پر ختم ہو جائے گا۔ لیکن یہ بس ایک نظام ہے جس کا ایک مقصد ہے۔ قرآن بار بار اس نظام کی جانب توجہ اس لیے مبذول کرتا ہے کہ وہ مقصد واضح ہو جائے جس کے تحت یہ نظام پل رہا ہے۔

حضرت ابراہیمؐ نے جب وقت کے خول سے باہر نکل کر اپنے وجدان اور شعور کا استعمال کیا تو وہ نظم وقت کے ظاہری عمل یعنی چاند، سورج اور ستاروں کی دوڑ سے دھوکا کھانے سے بچ گئے۔ ان کو دوسری نظر میں معلوم ہو گیا کہ یہ تو خود حکوم ہیں۔ آپ کی یقین افراد بصیرت نے پھر اُس کو پالیا جو غیب کے پردوں میں بظاہر چھپا ہوا ہے لیکن سب کا خالق ہے اور خوب واضح ہے۔ سورج باوجود بڑے اور بھاری اور خوب روشن ہونے کے مخفی ایک علامت تھا۔ حضرت ابراہیمؐ اس طرح غور و فکر کے عمل سے گزر کر ایمان و یقین کی لازوال نعمت سے مالا مال ہو گئے۔ ان کو اُبھرتے اور ڈوبتے وقت نے یہ بتایا کہ یہ سب کچھ ایک مقصد کے تحت خالق کے اشارے پر ہو رہا ہے۔ وقت نے وہ رُخ متعین کر دیا جس کی طرف پھر کر حضرت ابراہیمؐ یکسو ہو گئے۔ ”میں نے تو یکسو ہو کر اپنا رُخ اس ہستی کی طرف کر لیا ہے جس نے زمین اور آسمان کو پیدا کیا ہے“ (الانعام: 78:7)

وقت: اسلامی تصورات

ڈاکٹر حسن صہیب مراد
(آخری قسط)

وقت کی اقسام اور ہر قسم کا ایک منفرد انداز اس کائنات کے پیچیدہ نظام کو چلانے کے لیے انتہائی ضروری ہے۔ تخلیقات کا تنوع اوقات کے تنوع کا بھی تقاضا کرتا ہے، اور ساتھ ہی تمام تر تخلیقات کے ایک خالق اور اوقات کے ایک مالک کی سب سے بڑی شہادت بھی اس نظام پر غور کرنے سے مل جاتی ہے۔ گویا کثرت ہی میں وحدت کی دلیل پیچھی ہوئی ہے۔

اللہ تعالیٰ کی ذات ہی وہ منفرد اور یکتا ہستی ہے جو اول بھی ہے اور آخر بھی، ظاہر بھی ہے اور باطن بھی، اور وہ سب کچھ جانتا ہے۔ توحید کا تصور اتنا جان دار اور جامع ہے کہ اس کا مطلب وقت کی مختلف حالتوں کا کوئی مجموعہ نہیں بلکہ وقت کی مختلف حالتوں کا وحدت اور اکائی کی صورت میں سمو لیا جاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ قرآن میں ارشاد فرماتا ہے: ”وَهِيَ ہے جس نے آسمان اور زمین کو برحق پیدا کیا ہے اور جس دن وہ کہے گا کہ حشر ہو جائے، اس دن وہ ہو جائے گا۔ اس کا ارشاد عین حق ہے اور جس روز صور پھونکا جائے گا اس روز بادشاہی اسی کی ہوگی۔ وہ غائب اور شہادت ہر چیز کا عالم ہے اور دنا اور باخبر ہے“ (الانعام: 6:73)

یہ آیت حضرت ابراہیم کے توحید کی طرف فکری سفر کی رواداد سے قبل آئی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں چار مختلف قسم کے اوقات کی تخلیق اور ان کی مدت کے ایک دوسرے کے بعد آنے اور جانے کا امر واقعہ بیان فرمایا ہے۔ زمین اور آسمان کی تخلیق کے ساتھ ہی سورج اور چاند اور زمین کے گردشی نظام کے ذریعے وجود میں آنے والا وقت کا خوب بھی ظاہر ہے کہ کسی اور طرح

کے وقت کے بعد وجود میں آیا ہوگا، یعنی ایک وقت تخلیق سے قبل تھا، دوسرا تخلیق کے بعد سے شروع ہو کر قیام تک رہے گا۔ زمین کی تخلیق کا عمل بھی کروڑوں اور اربوں سالوں پر محیط نظر آتا ہے۔ تیسرا نظامِ وقت قیامت کی گھڑی سے قائم ہو جائے گا جب موجودہ وقت کے اجزاء ترکیبی نیست و نابود ہو جائیں گے۔ اس وقت کے لیے مشرق و مغرب اور چاند، سورج اور زمین کی حرکت کا نظامِ العمل کیا ہوگا، اس کی تفصیل اس وقت واضح نہیں ہے۔ چوتھا نظامِ وقت اس وقت قائم ہوگا کہ جب لوگ دوبارہ اٹھا کر زندہ کیے جائیں گے۔ آیت مذکورہ میں اوقات کی مختلف اقسام کے بذریعہ قیامِ کو اللہ تعالیٰ کی بادشاہی اور قدرتِ کاملہ کی تصدیق کے طور پر پیش کیا گیا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ جو وقت کے نظام پر قادر ہو وہی غیب کا جانے والا ہے اور دانا اور باخبر ہو سکتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کے علم کی جامعیت، کاملیت اور ہرشے پر اس کا محیط ہونا ممکن ہی اس وقت ہو سکتا ہے کہ جب وہ وقت کے ایک خول سے اندر اور باہر سب کچھ اس طرح دیکھ سکتا ہے کہ جیسے انسان آئینہ دیکھتا ہے۔ وہ وقت کہ جو بھی آیا نہیں ہے اس کے بھی انتہائی سرے پر دیکھ سکتا ہے کہ کیا کچھ آئینہ ہونے والا ہے۔

زمینی وقت کی ایک خصوصیت اس کا مدت اور مہلت کی شکل میں پایا جانا ہے۔ حضرت آدمؑ کے زمین پر اترے جانے کے بعد بنی نوع انسانیت کی مہلت کا آغاز ہو گیا اور یہ مدت وہ ہے جو اس دنیا میں قیامت تک جاری ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: ”فَرِمَا يَا، أُتْرِ جَاؤْ تُمْ اِيْكْ دُوْسْرِے کے دُشْمَنْ ہو اور تمہارے لیے ایک خاص مدت تک زمین ہی میں جائے قرار اور سامانِ زیست ہے۔“ دوسری مدت وہ ہے جو ہر قوم یا قریب کے لیے ہوتی ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: ”ہر قوم کے لیے مہلت کی ایک مدت مقرر ہے، پھر جب کسی قوم کی مدت پوری ہوتی ہے تو ایک گھڑی بھر کی تقدیم و تاخیر نہیں ہوتی،“ (الاعراف: 7: 34)۔ تیسرا مدت وہ ہے جو ہر فرد کو اس کی عمر کی صورت میں ملی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ”وَهُنَّا تُمْ كُو جِئْنَا اور وُہُنَّا مَرْنَا ہے اور اس میں سے آخر کا رُنگ لا جائے گا،“ (الاعراف: 7: 24)۔

اسی طرح اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں: ”تَعْرِيفُ اللَّهِ كَلِيلٌ ہے جس نے زمین اور آسمان

بنائے، روشنی اور تاریکیاں پیدا کیں۔ پھر بھی وہ لوگ جنہوں نے دعوتِ حق کو ماننے سے انکار کر دیا ہے وہ مرسوں کو اپنے رب کا ہمسر ٹھہر ار ہے ہیں۔ وہی ہے جس نے تم کو مٹی سے پیدا کیا۔ پھر تمھارے لیے زندگی کی ایک مدت مقرر کر دی، اور ایک دوسرا مدت اور بھی ہے جو اس کے ہاں طے شدہ ہے۔” (الانعام: 6-2)

دورہ، مدت، مہلت، بار بار پھر، یہ انسانی وقت کی خصوصیات ہیں۔ قرآن میں مہلت کے اٹل ہونے پر بے انتہا زور دیا گیا ہے۔ یہ وقت کبھی ٹھیں نہیں سکتا۔ کسی کو مفر نہیں۔ کوئی اس سلطنت سے باہر نہیں جا سکتا۔ کوئی اس طریقہ کار کو تبدلیل نہیں کر سکتا ہے۔ یعنی مدت و مہلت کی شرائط کو تبدلیل نہیں کیا جا سکتا ہے۔

مشرق اور مغرب نظامِ وقت کے وہ دوستون ہیں کہ جن پر وقت کا نظام قائم ہے۔ وقت مشرق سے شروع ہوتا ہے اور مغرب میں ختم ہوتا ہے۔ توحید کا تقاضا ہے کہ یہ دونوں ایک ہی ہستی کے اقتدار کا حصہ ہوں۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: ”مشرق اور مغرب سب اللہ کے ہیں۔ جس طرف بھی تم رُخ کرو گے، اس طرف اللہ کا رُخ ہے۔ اللہ بڑی وسعت والا اور سب کچھ جانے والا ہے۔“ (البقرہ: 511:2)

وقت کے اندر سمت کا تصور بھی موجود ہے۔ وقت بذاتِ خود مخصوص سمت پر سورج اور زمین کی حرکت سے وجود میں آتا ہے اور اس کے وجود میں آنے سے انسان سمیت ہر شے اپنی تخلیق کے تدریجی مراحل سے گزرننا شروع ہو گئی ہے، یعنی وقت میں جغرافیائی سمت کے علاوہ معنوی سمت بھی موجود ہے۔ انسان کا مقام اور اس کی عمر، ان دونوں کا تعین سمت کے جغرافیائی و معنوی پہلوؤں کو بالترتیب نمایاں کرتا ہے۔ ذہن میں جائے مقام مشرق و مغرب اور شمال و جنوب کے تعین سے ہوتا ہے، جب کہ مشرق و مغرب کا تعین پھر وقت کے ذریعے ہی ہوتا ہے۔ گویا سورج اور زمین کی گردش سے۔۔۔ انسان کے لیے جائے مقام کے ساتھ ساتھ مدت قیام کی معلومات اس کے تخلیقی سفر کی کیفیت کو ظاہر کرتی ہے۔ جو وقت گزر گیا ہے عمر سے معلوم ہو جاتا ہے۔ طے شدہ وقت سے اتنا وقت گویا کم ہو گیا۔

کس جگہ کیا وقت ہو رہا ہے؟ اس کے حساب کے لیے سمت کا حساب ضروری ہے۔ مشرق و مغرب سمت ہی کے دو اشارے ہیں۔ صبح و شام اور ستارے سمت کو واضح کرتے ہیں۔ انسان کے لیے یہ سمت انتہائی اہم ہے اور وہ کبھی بھی اس سے بے پرواہ نہیں ہو سکتا۔ اللہ تعالیٰ سمت سے باہر ہے۔ وہ سمت کا خالق ہے۔ وہ اطراف اور میقات، میعاد اور انجام پر غالب ہے۔ ہر رُخ اور ہر سمت اس کی ہے وہ سب کو سمئے ہوئے ہے۔

اللہ تعالیٰ وقت پر کس طرح قادر ہے اس کا اعلان ایک آیت کو چھوڑ کر پھر ہوتا ہے：“وہ زمین اور آسمان کا موجد ہے، اور جس بات کا وہ فیصلہ کرتا ہے، اس کے لیے بس یہ حکم دیتا ہے کہ ”ہوجا“ اور وہ ہو جاتی ہے۔ کن فیکون کے تصور میں تمام فاصلے اور نظام ہائے اوقات سمت کر آگئے ہیں۔ کن فیکون اللہ تعالیٰ کی قدرت کاملہ کا حقیقی اظہار ہے۔ وقت اس کا ہے سارے رُخ اُس کے ہیں۔ زمان و مکان اپنے تمام وجود اور خلق کے ساتھ اُس کا ہے۔ توحید کی ایسی تعریف کہ جس میں مادہ، قوت، قدر، وقت اور خلق کی تمام صورتوں پر مکمل اختیار ماقبل اور ما بعد کے ساتھ جھلکتا ہو کن فیکون کے دو الفاظ سے زیادہ بہتر صورت میں ادا نہیں ہو سکتی ہے۔

توحید اور تخلیق اور وقت کے مابین تعلق کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کسی بھی طرح زمین اور آسمان کے وقت کا پابند ہو چکا ہے، یا اس کھیر سے اب کوئی مفر نہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ خلق اور امر و نووں اُس کے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے قرآن میں متعدد واقعات کا تذکرہ کیا ہے جن سے معلوم ہوتا ہے کہ وقت کے نظام کی کنجیاں کس طرح اس کے پاس ہیں اور وہ نشانی کے طور پر ماضی کو مستقبل سے اور مستقبل کو ماضی سے تبدیل کر سکتا ہے۔ گھڑی کی سوئی کوئی تیزی سے آگے یا پیچھے گھما سکتا ہے یا وقت گزرنے کے باوجود وقت کی زد میں آئی ہوئی اشیاء کو وقت کے اثرات سے محفوظ رکھ سکتا ہے۔ اللہ تعالیٰ بیان فرماتا ہے：“تم نے ان لوگوں کے حال پر غور کیا، جو موت کے ڈر سے اپنے گھر بار چھوڑ کر نکلے تھے اور ہزاروں کی تعداد میں تھے؟ اللہ نے ان سے فرمایا: مرجاً۔ پھر اس نے ان کو دوبارہ زندگی بخشی۔ حقیقت یہ ہے کہ اللہ انسان پر بڑا فضل فرمانے والا ہے، مگر اکثر لوگ شکر ادا نہیں کرتے،” (آل بقرہ: 243: 2)، یعنی اس دنیا ہی میں دوبارہ زندگی

بخش دی۔ اس طرح بنی اسرائیل نے جب کہا کہ جب تک ہم اللہ تعالیٰ کو دیکھنے لیں، ایمان نہیں لائیں گے تو ایک زبردست کڑ کے نے ان کو آلیا وہ بے جان ہو کر گر گئے اور پھر انھیں دوبارہ زندگی دی گئی۔ (دیکھیے: البقرہ 55:2-56)

اسی طرح جب حضرت ابراہیم کا نمرود سے اللہ تعالیٰ کے بارے میں مکالمہ ہوا تو زندگی اور موت کے بارے میں اس نے کہا کہ یہ تو میرے اختیار میں ہے۔ لیکن پھر جب حضرت ابراہیم نے کہا کہ اچھا، اللہ سورج کو مشرق سے لاتا ہے تو ذرا مغرب سے نکال لاتو یہ سن کروہ ششدروہ گیا۔ ظاہر ہے کہ وہ سمجھ گیا کہ یہ دونوں اختیارات لازم و ملزم ہیں اور یہ اللہ ہی کی ذات میں جمع ہیں۔ قادر وہی ہو سکتا ہے کہ جو میط ہو۔ جو میط نہ ہو وہ سمت کا تابع ہو کر حدود میں رہتا ہے۔

زندگی بعد موت اور زینی وقت کے بارے میں کس طرح قرآن احساس و شعور کو جھنجورنا چاہتا ہے، اس کے لیے یہ واقع نہایت سبق آموز ہے۔ اللہ تعالیٰ بیان کرتا ہے: ”یا پھر مشال کے طور پر اس شخص کو دیکھو، جس کا گزر ایک بستی پر ہوا، جو اپنی چھتوں پر اونڈھی گری پڑی تھی۔ اس نے کہا: ”یا آبادی جو ہلاک ہو چکی ہے، اسے اللہ کس طرح دوبارہ زندگی بخشنے گا؟“

اس پر اللہ نے اس کی روح قبض کر لی اور وہ 100 برس تک مردہ پڑا رہا۔ پھر اللہ نے اسے دوبارہ زندگی بخشنی اور اس سے پوچھا: ”بتاو کتنی مدت پڑے رہے ہو؟“ اس نے کہا: ”ایک دن یا چند گھنٹے رہا ہوں گا۔“ فرمایا: ”تم پر 100 برس اسی حالت میں گزر چکے ہیں۔ اب ذرا اپنے کھانے اور پانی کو دیکھو، اس میں ذرا تغیر نہیں آیا ہے۔ دوسری طرف ذرا اپنے گدھے کو بھی دیکھو (کہ اس کا پنجرتک بوسیدہ ہو رہا ہے) اور یہ ہم نے اس لیے کیا کہ ہم تمھیں لوگوں کے لیے ایک نشانی بنا دیا چاہتے ہیں۔ پھر دیکھو کہ ہڈیوں کے اس پنجر کو ہم کس طرح اٹھا کر گوشت پوست اس پر چڑھاتے ہیں۔“ اس طرح جب حقیقت اس کے سامنے بالکل نمایاں ہو گئی تو اس نے کہا: ”میں جانتا ہوں کہ اللہ ہر چیز پر قدرت رکھتا ہے۔“ (البقرہ 2:259)

اس دنیا میں وقت گزرنے کے بعد محض ایک ذہنی تاثر کی حد تک محدود رہ جاتا

ہے۔ 100 برس کے بعد انسان سوچتا ہے کہ یہ چند گھنٹے یا زیادہ سے زیادہ ایک دن گزر اہوگا۔ پھر اللہ تعالیٰ نے بتایا کہ کس طرح کھانے اور پانی جیسی اشیا جن میں چند دنوں میں تغیر آ جاتا ہے وہ وقت گزرنے پر پڑنے والے معمول کے اثرات سے قطعی طور پر 100 سال تک مستثنی رہیں، جب کہ ساتھ ہی پڑا ہوا گدھا 100 سال میں کس طرح بوسیدہ ہو گیا۔ اسی طرح پھر اللہ تعالیٰ بتایا ہے کہ کس طرح وقت کو سیکھ کر اور سمیٹ کر ہڈیوں میں آنا فاناً گوشت پوست چڑھ جاتا ہے۔ یہ وقت یہ ایک ہی مقام پر پڑی مختلف اشیا پر مختلف طریقے سے اثر انداز ہوا۔ وقت آگے سے پیچھے ہو گیا۔ پھر پیچھے سے آگے آ گیا۔ کہیں بالکل ہی رُک گیا۔ حالانکہ زمین کا طبعی و مشینی وقت اپنی رفتار سے گزرتا رہا۔

دنیاوی وقت ایک سراب کی مانند ہے۔ جب تک انسان دور سے آنے والے وقت کو دیکھ رہا ہوتا ہے، اس کو بہت حسین لگ رہا ہوتا ہے۔ حال میں رہ کر مستقبل اچھا لگتا ہے۔ مستقبل میں پہنچ کروہ تاثرِ محو ہو جاتا ہے۔ انسانی ذہن کل اور مستقبل کے پیرائے میں سوچ کر حال کو ترتیب دینے کی کوشش کرتا ہے۔ اچھے مستقبل کی توقع حال میں قوتِ عمل فراہم کرتی ہے۔ فکرِ آخرت سے بے نیازی، آخرت میں اچھے انجام کی ضمانت، دنیا اگر اچھی مل جاتی ہے تو آخرت بھی اچھی مل جائے گی، اس طرح کے عقائد یہودیت و نصرانیت اور مادہ پرست تہذیب کا خاصہ رہے ہیں۔ اس کا نتیجہ دنیا میں مزید مست ہو جانے کی شکل میں نکلتا ہے۔ قرآن میں اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے: ”جس روز اللہ ان سب لوگوں کو گھیر کر جمع کرے گا، اس روز وہ جنوں (یعنی شیاطین) سے خطاب کر کے فرمائے گا کہ ”اے گروہ جن، تم نے تنواع انسانی پر خوب ہاتھ صاف کیا۔“ انسانوں میں سے جوان کے رفیق تھے وہ عرض کریں گے ”پروردگار! ہم میں سے ہر ایک نے دوسرے کو خوب استعمال کیا ہے اور اب ہم اس وقت پر آپنچے ہیں جو تو نے ہمارے لیے مقرر کر دیا تھا۔“ اللہ فرمائے گا: ”اچھا، اب آگ تمہارا ٹھکانہ ہے اس میں تم ہمیشہ رہو گے۔ اس سے بچیں گے صرف وہی جنہیں اللہ بچانا چاہے گا۔ بے شک تمہارا رب دانا اور حلیم ہے۔“ (البقرہ،

اسی طرح اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ ”جنہوں نے کفر کیا ان کے اعمال کی مثال ایسی ہے جیسے دشت بے آب میں سراب کی پیاس اس کو پانی سمجھے ہوئے تھے“ (النور: 39:24) وقت کے عارضی ہونے کی اس سے بڑی کیا مثال ہو سکتی ہے۔ وقت جب بے پروا نظر آتا ہے تو اس لیے کہ وقت کے مالک نے ڈھیل دی ہے۔ انسان سمجھ بیٹھتا ہے کہ جو کچھ ہو رہا ہے وہی ہوتا رہے گا۔ وقت گزرنے کی کیفیت غیر یقینی، مسلسل، یکسانیت اور بالخصوص خوش حالی کی صورت میں ختم ہوتی ہوئی لگتی ہے یہاں تک کہ اللہ کی کپڑا آ جاتی ہے۔ تاثرات پر مبنی وقت کی حالت پر صرف اور صرف ایمان ہی کے ذریعے یقینی کیفیت غالب ہو سکتی ہے۔ جب انسان آخرت پر رُگاہ جما کر دنیا گزارتا ہے تو وہ اس دنیا کے گزرنے والے لمحات کو آخرت کے خالصتاً، داگی اور حقیقی لمحات کے حصول کے لیے استعمال کرتا ہے۔

وقت کا تاثر انسان کی جسم اور شعور کی پیداوار بھی ہوتا ہے۔ کیا وقت ہے، کا جواب جب گھڑی سے ملتا ہے تو ساتھ کیسا وقت ہے، کا جواب بھی ذہن جوڑ دیتا ہے۔ انسان اپنی شناخت اپنے وقت کے بارے میں تاثرات سے قائم کرتا ہے۔ کامیابی و ناکامی، عزت و ذلت، خوشی و غم، تکلیف و راحت، محبت و عداوت، رحم و عفو، یہ سارے تاثرات اور روایے وقت کے گزرنے کے ساتھ بنتے ہیں۔ ایک صاحب ایمان کے لیے وقت کی تعریف اس لحاظ سے بغیر ایمان کے کسی فرد سے مختلف ہوگی۔ ایمان کی روشنی میں وقت دیکھنا، اس کی منصوبہ بندی کرنا، اس کو گزارنا، یقیناً زیادہ معنی خیز ہوتا ہے۔

نظم وقت میں انہائی درجے کی باقاعدگی کا پایا جانا ایک حیران گن عمل ہے۔ اس کے لیے پورے نظام کائنات میں جس ربط اور گرفت کی ضرورت ہے وہ ایک غالب قوت کے کارفرما ہونے کی واضح دلیل ہے۔ کائنات کا پورا نظام ضابطے کے مطابق معمولات کی شکل میں چلتا نظر آتا ہے۔ اس باقاعدگی میں جو تسلسل اور یہی نظر آتی ہے وہ انسان کو دھوکے میں بھی بیٹلا کر ڈالتی ہے۔ کوئی یہ سمجھ بیٹھتا ہے کہ یہ کائنات ایک دفعہ بنادی گئی اور پھر اللہ تعالیٰ نے تخلیق سے ہاتھ روک دیا۔ کوئی یہ سمجھ بیٹھا کہ یہ نظام تو گھڑی کی طرح بس چلتا ہی نہیں ہے۔

اس نظام میں جہاں باقاعدگی پائی جاتی ہے وہاں اتفاق و حادثاتی نوعیت کی بھی پوری گنجائش ہے۔ اس نظام کے یقینی ہونے کے اندر ہی اس کے غیر یقینی ہونے کی گنجائش بھی موجود ہے۔ ظاہر انتشار نظر آتا ہے لیکن اندر ورنی طور پر تنظیم کی کیفیت ظاہر ہوتی ہے۔ بعض اوقات ظاہر ترتیب محسوس ہوتی ہے لیکن اندر ورنی طور پر خلف شارک سماں ہوتا ہے۔ یقینی و غیر یقینی، نظام و انتشار، منصوبہ جاتی و اتفاقی، ارادی و حادثاتی، کشکاش اور ٹھیراو، تعمیر و تخریب، ان سب کا امترزاج اس کائنات کو انسان کے لیے بہترین جولان گاہ بنادیتا ہے۔ اس کی فکر اور شعور کے اندر یہ طاقت رکھی گئی ہے کہ وہ اس کائنات کے رازوں کو تھہ بھج سکے، عوامل و عواقب کو معلوم کر سکے، مابعد و مقبل کا تعین کر سکے۔ اپنے ارادوں کی تکمیل کے لیے مواقع تلاش کر سکے اور اس کی خوبیوں سے فائدہ اٹھا سکے۔

معمولات میں باقاعدگی ایک ظاہری صفت ہے۔ اگر کہیں باقاعدگی پائی جاتی ہو تو اندازہ کیا جاسکتا ہے کہ کوئی بڑا ہم اور نازک کام مقصود ہے۔ اس کائنات میں ذرات کے اندر کی دنیا سے لے کر کھربوں کھکھاؤں (galaxies) کا نظام دراصل وقت کی ایسی زنجیر سے بندھا ہے کہ جس کی بعض کڑیاں ایک سینڈ کے کھربوں حصے پر مشتمل ہے اور بعض کھربوں سالوں پر محیط ہیں۔ نوع وقت کی یہ وسیع تقسیم اور اس میں ربط کا مسلسل قائم رہنا ایک انوکھی صفت ہے۔ یہی باقاعدگی اور نظم، اسلام اہل ایمان میں بھی پیدا کرنا چاہتا ہے۔ قرآن میں عبادات، معاهدات سے متعلق احکامات جب بھی آئے ہیں تو وقت کا ذکر حکم کی مناسبت سے ضرور کیا گیا۔ شادی، طلاق، حرام و حلال، جہاد، اتفاق اور نماز، روزہ، حج، زکوٰۃ ان تمام امور کے متعلق آیات میں وقت کے پہلو پر بھی جا بجا روشنی ڈالی گئی ہے۔ سود کی حرمت اس لیے کی گئی ہے کہ اس کو محض وقت کے ساتھ ساتھ بڑھتا اور چڑھتا سمجھ لیا گیا۔ اتفاق کے بارے میں بتایا گیا کہ جہاد سے پہلے اتفاق کرنے والے فتح کے بعد اتفاق کرنے والوں سے بہتر ہوں گے۔ نماز کے بارے میں بتایا گیا ہے کہ یہ وقت کے ساتھ فرض کی گئی ہے۔ سحری کے بارے میں بہت ہی باریک مینی سے وقت کا تعین کیا گیا ہے۔ نیک کام اس وقت اور اتنا ہی نیک تصور ہو گا جتنا وہ وقت کے لحاظ سے

درست ہوگا، بر موقع اور بمحل ہوگا۔ فرعون عذاب شروع ہونے کے بعد ایمان لا یا، لہذا بے کار رہا۔ موت کا منہ دیکھ کر توبہ کرنا کوئی فائدہ نہیں دیتا۔

باقاعدگی بالآخر مستقل مزاجی اور استقامت پیدا کرنے کا باعث بنتی ہے۔ جو ضعف انسان کے ارادے میں ودیعت کیا گیا اس کو ختم کرتی ہے، اور جو نیان اُسے غفلت میں بٹلا کر دیتا ہے اس کا مقابلہ کرتی ہے۔ اسلامی معاشرت کی آبادیاں دن میں پانچ مرتبہ اللہ اکبر کی صدائیں سے لبریز ہو جاتی ہیں۔ اذان کی حیثیت ایک گھنٹے کی ہے۔ وقت کے پھر وہ پر اذان سن کر وقت کا مجموعی حساب رکھا جاسکتا ہے۔ یہ ایک لحاظ سے interactive clock ہے۔ اس لیے کہ اذان کے ساتھ جواب بھی دیا جاتا ہے۔ اس طرح وقت کا ہر پھر شہادت اور عبادت کے ساتھ شروع ہوتا ہے اور ختم ہوتا ہے۔ مقصود گزرتے ہوئے دن کے ہر پھر کے سرے پر اللہ کی یاد کے لیے باقاعدگی سے نماز پڑھنا ہے۔ کائنات میں تنظیم وقت کی موجودگی دراصل اللہ تعالیٰ کی فطرت کو ظاہر کرتی ہے۔ اسی کا اہتمام اہل ایمان سے بھی مطلوب ہے۔ یہ باقاعدگی اُس خودگی (self organization) کو پروان چڑھاتی ہے جو اس کائنات کا خاصہ ہے۔ مغرب نے Time Culture دیا ہے اس کا خاصہ مشینی انداز سے وقت گزار کر محض تفریج و مسرت کے لیے وقت صرف کرنا ہے۔

وقت ایک گواہ ہے۔ واعصر سے یہی بات واضح ہوتی ہے۔ سائنس دانوں کا بھی یہ خیال ہے کہ ہر سینٹ اور گھنٹہ یا کوئی بھی اور وقته درحقیقت ایک لفافے یا فائل کی صورت میں ہکلتا اور اس عرصے میں وقوع پذیر ہر شے اور اُس کی کیفیت کا نقش محفوظ کرتے ہوئے چلا جاتا ہے۔ گویا وقت ایک گواہ ہونے کے ساتھ اپنادفتر اور اپناریکارڈ خود رکھتا ہے۔ ذرات سے لے کر پہاڑوں کی چٹانوں میں، گلیشیر میں، یہ گواہی مرتم ہے۔ اس کی زبان قدرتی ہے اور انسان اب تحقیق کے نتیجے میں قدیم زمانے میں واقع ہونے والی تبدیلیوں کو جان لینے کی کوشش کر رہا ہے۔ یہ حقیقت تقاضا کرتی ہے کہ وقت کا استعمال وقت کے مقاصد کی روشنی ہی میں کیا جائے۔

تنظيم وقت کے اصولوں کو فہم وقت کے اسلامی تصورات کی روشنی میں آسانی سے سمجھا

جا سکتا ہے۔ درج ذیل احادیث عملی زندگی کے لیے زبردست رہنمائی فراہم کرتی ہیں۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں: ”کوئی صحیح نہیں ہوتی، جب کہ دو فرشتے نہ پکاریں کہ اے آدم کے بیٹے میں ایک نیادن ہوں اور تمہارے اعمال پر گواہ ہوں۔ پس مجھ سے زیادہ فائدہ اٹھاؤ کیونکہ اب روزِ قیامت سے قبل نہ پلاؤں گا“۔

گویا وقت ایک عظیم نعمت ہے کہ جو دوبارہ نہیں ملے گی۔ دولت، صحت اور دوسروی اشیاء سے محروم ہونے کے بعد دوبارہ حاصل کیا جاسکتا ہے لیکن وقت کو نہیں۔۔۔ یہ حدیث وقت کی منصوبہ بندی کی دعوت دیتی ہے۔ اس منصوبہ بندی کا مقصد وقت سے زیادہ سے زیادہ فائدہ فائدہ اٹھانا ہے۔ یہ فائدہ کم وقت میں زیادہ کام کرنے ہی سے نہیں بلکہ صحیح وقت پر صحیح کام اور زیادہ دیر پا فائدے والے کام کرنے سے ممکن ہے۔ اس حدیث سے یہی معلوم ہو رہا ہے کہ ہر دن کو ایک نیادن سمجھ کر شروع کرنا چاہیے۔ ہر روز ایک نیا یوٹ ہے، ایک نئی زندگی ہے۔

وقت انسان کا کتنا بڑا اور قیمتی ہتھیار ہے، اس کا اندازہ اس حدیث سے لگایا جاسکتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دوآ دیموں میں بھائی چارہ قائم فرمایا۔ پھر ان میں ایک شہید کر دیا گیا۔ پھر دوسرا ایک ہفتہ یا کم و بیش اسی مدت میں فوت ہو گیا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اُس کی نماز جنازہ پڑھی۔ اس کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہؓ سے پوچھا کہ اس کے بارے میں تم نے کیا کہا۔ صحابہؓ نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہم نے دعا کی کہ اللہ اس کی مغفرت فرمائے، اس پر حکم کرے، اور اُسے اپنے ساتھی کے ساتھ ملا دے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ پھر اُس کی نماز اُس کی نماز کے بعد اور اُس کا عمل اُس کے عمل کے بعد یا فرمایا اُس کا روزہ اُس کے روزے کے بعد کہاں گئے؟ ان دونوں کے درمیان اتنا فاصلہ ہے جتنا آسمان اور زمین کے درمیان بھی نہیں ہے۔ گویا ایک ہفتہ کے نیک اعمال بھی اتنے کافی ہو سکتے ہیں کہ نہ صرف شہید کے درجے سے زیادہ بڑا درجہ مل جائے بلکہ جو فرق ہو وہ زمین اور آسمان سے بھی زیادہ ہو۔ ہر دن، ہر لمحہ، ہر گھنٹہ انتہائی قیمتی ہے۔ ہر دن کو کیسے گزارا جائے؟ یہ حدیث ملاحظہ کیجیے۔

حضرت ابوذرؓ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے بیان فرماتے ہیں کہ ”حضرت ابراہیمؑ کے حیفہوں میں

یہ بات بھی ہے کہ عقل مند آدمی کے لیے، جب کہ اس کی عقل کام کرے، لازم ہے کہ وہ اپنے اوقات اس طرح تقسیم کرے کہ اس میں کچھ گھڑیاں ایسی ہوں کہ ان میں اپنے رب کی مناجات کرے، کچھ گھڑیاں ایسی ہوں کہ ان میں اپنے نفس کا محاسبہ کرے، ایک گھڑی ایسی بھی ہو کہ اس میں اللہ تعالیٰ کی شان صنای میں غور و فکر کرے، اور ایک گھڑی ایسی بھی کہ اس میں ان ضروریات خوردنوش کے لیے فارغ ہو اور عقل مند آدمی کا کام ہے کہ رخت سفرنہ باندھ مگر تین چیزوں کے لیے: آخرت کے تو شے کے لیے، معاش کے سلسلے میں کاروبار کے لیے یا ایسی لذت کے حصول کی خاطر جو حرام نہ ہو۔ اور عقل مند آدمی کے لیے ضروری ہے کہ وہ اپنے زمانے کو دیکھنے، سمجھنے والا ہو، اپنی حالت پر توجہ دینے والا ہوا اپنی زبان کی حفاظت کرنے والا ہو۔ جو آدمی اپنے کلام کو اپنا عمل سمجھتا ہو، اس کا کلام تھوڑا ہو گا مگر یہ کہ با مقصد باتیں ہوں، وہ ان ہی تک اپنے آپ کو مدد و در کرے گا۔ (صحیح ابن حبان)

اوقات کی تقسیم کے چار اہم خانے بتائے گئے ہیں۔ مناجات و عبادات، ذاتی محاسبہ، کائنات و قدرت پر غور و فکر، خوردنوش و ضروریات زندگی۔ سفر کہ جوزندگی کی ایک بڑی سرگرمی ہوتی ہے اس کے تین مقاصد بتائے گئے ہیں اور انسان کا رو یہ اپنے زمانے کے ساتھ اپنی حالت کے ساتھ، اپنی زبان کے ساتھ کیا ہونا چاہیے۔۔۔ تنظیم وقت کا نسخہ اس حدیث میں بڑی خوب صورتی کے ساتھ بیان کر دیا گیا ہے۔۔۔ زمانے سے بے پرواہ کر زندگی گزارنا دین داری کا کوئی تقاضا نہیں۔ زمانے کو پلٹانے کی کوشش کرنا ہی درست رو یہ ہے۔ وقت کے ساتھ صحیح سلوک وقت کے دھاروں سے بے تعلق نہیں بلکہ مقصد میں نوعیت کا ضبط و عمل ہے۔

وقت ایک موقع لے کر آتا ہے۔ اس موقع کو کسی کام کے لیے استعمال کیا جا سکتا ہے۔ اس سے متعلق ایک حدیث بخاری میں حضرت ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ ”دُوْعَتِينِ ایسی ہیں کہ بہت سے لوگ ان سے فائدہ نہیں اٹھاتے۔ ایک صحت، دوسرے فارغ البابی۔ جو کام حالت صحت اور فارغ البابی کی صورت میں ہو سکتے ہیں وہ کسی اور صورت میں ممکن نہیں۔ اسی طرح ایک اور حدیث میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ ”دُنْیَا اچھی ہے اس کے لیے جو اس سے

اپنی آخرت کے لیے تو شہ بنائے حتیٰ کہ اس کا رب اس سے راضی ہو جائے۔ (حاکم فی المستدرک)

وقت کی منصوبہ بندی ۔۔۔ دراصل زندگی کی منصوبہ بندی ہے۔ اور زندگی کی منصوبہ بندی کے لیے زندگی کی ترجیحات کا صحیح تعین ضروری ہے۔ دنیا اور آخرت کے تعلق کی سمجھ بھی ضروری ہے۔ چونکہ دنیا میں یہ موقع اللہ کی طرف سے نعمت ہے اس لیے اس کے خاتمے کی تمنا کرنے سے منع کر دیا گیا ہے۔

حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے کہ تم میں سے کوئی آدمی موت کی تمنا نہ کرے وہ نیک ہو تو اس لیے کہ شاید میکی میں اضافہ ہو اور برا ہو تو اس لیے کہ شاید تو بہ کر لے۔ (بخاری)

حضرت جابرؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ موت کی تمنا نہ کرو، اس لیے کہ موت کی سختیاں جو آنے والی ہیں وہ بہت سخت ہیں، سو سعادت کی بات ہے کہ آدمی کی عمر بی بھی ہو اور اللہ تعالیٰ اسے اپنی طرف رجوع کی توفیق عطا فرمائے۔ (آمین)

ظاہر ہے کہ جس کو زیادہ موقع ملا اور اس نے اس کا زیادہ فائدہ اٹھایا، اس کا اجر زیادہ ہونا چاہیے۔ لیکن یہ بھی حقیقت ہے کہ عمل کا ہر ذریغہ ناکافی محسوس ہو گا۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ ”اگر بندہ پیدائش کے وقت سے لے کر بوڑھا ہونے تک اللہ کی اطاعت میں اپنے چہرے کے بل گرا پڑا ہو، تو اسے قیامت کے روز حکیم سمجھے گا اور چاہے گا کہ اسے دنیا میں لوٹا دیا جائے تاکہ اجر و ثواب میں اضافہ کرے۔ (مندرجہ، رواہ محمد بن عمیرہ)

کون سا وقت زیادہ باعث برکت ہے؟ احادیث اور قرآنی آیات فہرستے قبل اور بعد کے وقت کو دن اور رات کے تمام اوقات سے بہتر بتاتی ہیں۔

حضرت جابرؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اے اللہ! تو میری امت کو اس کے بکر میں برکت دے۔ (الطبرانی فی الاوسط)

بکور سے مرادون کا پہلا حصہ ہے۔

حضرت انس[ؓ] سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ”جس نے فجر کی نماز جماعت کے ساتھ ادا کی پھر وہ طلوع آفتاب تک بیٹھا رہا۔ اللہ کا ذکر کرتا رہا اور پھر اس نے دو رکعت نماز پڑھی تو اس کا اجر حج اور عمرے کے برابر ہوا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے تین مرتبہ فرمایا: تامة، تامة، تامة، یعنی حج و عمرے کا کامل اجر۔

اس طرح رات کا مقصد جہاں سکون و آرام بتایا گیا ہے وہیں اس کے ایک حصہ کو عبادت اور مناجات کے لیے وقف کرنے کے بارے کہا گیا ہے۔ اختصار کے سبب یہاں تفصیل سے ان آیات و احادیث کا حوالہ نہیں دیا جا رہا ہے لیکن وقت کی منصوبہ بندی کرتے ہوئے اس ضرورت کو سامنے رکھنا بھی ضروری ہے۔ دن کے کاموں میں اللہ کی برکت، مشیت کی شمولیت اور زندگی کے راستے میں کامیابی کے ساتھ سفر کے لیے رات کی عبادت ناگزیر ہے۔

نماز با جماعت کی ادائیگی وقت کے معمولات کو خود بخود ترتیب دے دیتی ہے۔ یہ معمول اوقات کو بڑے حصوں میں تقسیم کر دیتا ہے۔ دیگر تمام مصروفیات کو نماز با جماعت کے اوقات کے ساتھ ہم آہنگ کرنے سے بے انتہا سہولت پیدا ہوتی ہے۔

یہ دعا بھی آئی ہے کہ ”اے اللہ! میرے دن کے پہلے حصے کو درست، درمیانے کو کامیاب اور آخری کو آسان بنادے اور میں تجھ سے دنیا و آخرت کی بھلائی مانگتا ہوں۔ لمبی عمر کا مطلب لمبی مدت عمل ہے۔ اگر مدتِ عمل کا استعمال درست ہو تو یہ باعثِ خخر ہے ورنہ وبا اور تباہی۔ یہ تین حدیثیں خوشخبری بھی دیتی ہیں اور ڈرلتی بھی ہیں۔

حضرت ثوبان[ؓ] کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تقدیر کو کوئی چیز بھی پھیرنہیں سکتی سوائے دعا کے، اور عمر میں کوئی چیز اضافہ نہیں کر سکتی سوائے حق شناسی اور یتیکی کے۔ اور یقیناً آدمی گناہ کی شامت سے بھی محروم ہو جاتا ہے۔

حضرت ابو صفوان[ؓ] سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: سب سے بہتر آدمی وہ

ہے جس کی عمر بھی ہو اور عمل اچھا ہو۔

حضرت ابو ہریرہؓ روایت کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے اس آدمی کے لیے کوئی عذر باقی نہیں رہنے دیا جس کی عمر 60 سال کو پہنچ گئی۔

فہم وقت کے بارے میں آخری بات یہ ہے کہ اگرچہ گزرنا ہوا وقت و اپس نہیں آ سکتا لیکن گزرے ہوئے وقت میں کیسے گئے برے اعمال کو نیک اعمال سے تبدیل کیا جاسکتا ہے۔ اسلام میں جہاں تزکیہ کی تعلیم دی گئی ہے تاکہ حال اور مستقبل کی اصلاح ہو سکے وہیں توہہ اور استغفار کے ذریعے انسان اپنے ماضی کو درست کر سکتا ہے۔ جو بوجھ لدا ہوا ہواس کو انتار پھینک سکتا ہے۔

اس طرح اسلام نے گزرے ہوئے وقت کو حال میں گرفت میں لے کر تبدیل کرنے کا راستہ بتایا ہے۔ یہ سہولت بار بار استعمال ہو سکتی ہے اور وقت کے معیار پر اور اس کے آئینے میں جب بھی انسان کو احساس ہو کہ یہ کام غلط ہوا تھا وہ واپس پلٹ سکتا ہے، اپنی اصلاح کر سکتا ہے۔ توہہ اور استغفار کے ذریعے انسان اپنی پوری زندگی کو نئے سرے سے شروع کر سکتا ہے۔ زندگی اُمید کا نام ہے۔ اللہ تعالیٰ کی رحمت پر توکل اور اس کی رضا پر قناعت کے ذریعے آئندہ آنے والے وقت کو ماضی سے بہتر بنایا جاسکتا ہے۔ ماضی ہمیشہ کے لیے انہیں نہیں ہے بلکہ بندے کی توجہ کا متلاشی ہے۔ جب بھی بندہ اپنا محاسبہ کرے اور ماضی کو دھونا چاہے تو وہ اس کے لیے ممکن ہے۔ ایک نیا انسان کسی بھی وقت اُبھر سکتا ہے۔ انسان اپنی زندگی کو ماضی کے برے اعمال کے شکنچے سے نکال کر از سرنو ترییب دے سکتا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ ماضی کو حال میں تبدیل کرنے کی جو قوت توہہ اور استغفار اور تزکیہ میں موجود ہے، انسان کے لیے وقت کے سلسلے میں سب سے بڑی نعمت ہے۔